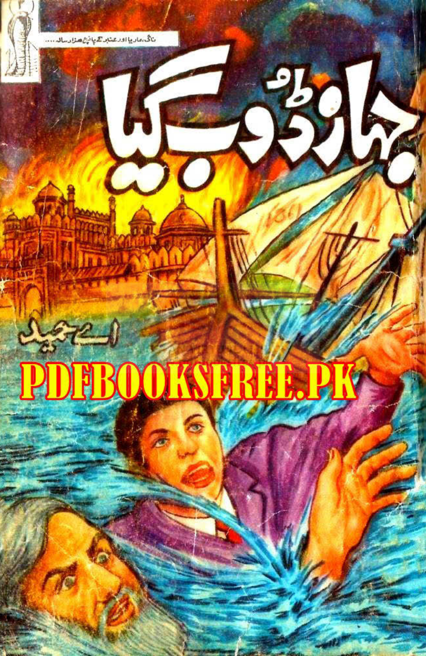
ناگ، ماریا اور عنبر کے پانچ ہزار سال....
جہاز ڈوب گیا
اے حمید
PDFBOOKSFREE.PK

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

4964

نیا مکتبہ اقراء

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

جہاز ڈوب گیا

اے۔ حمید

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

قیمت : ۵/- روپے

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

بار اوّل
ناشر: نیا مکتبہ اقرا، ۱۳ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور

پیارے بچو!

عنبر نے اپنی واپسی کا سفر شروع کر دیا ہے۔ وہ سائنس کے زمانے سے نکل کر سو سال پیچھے چلا جاتا ہے، جب کہ دلی شہر میں غدر پڑا ہوا ہے اور قتل عام ہو رہا ہے — عنبر اپنے ساتھ ایک ٹیپ ریکارڈر، سگریٹ لائیٹر اور ریوالور بھی لے گیا ہے — اسے انگریزوں کا جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا جاتا ہے اور لال قلعے کے تہہ خانے میں ڈال دیتے ہیں، مگر عنبر کے پاس زبردست طاقت ہے — وہ اپنی طاقت سے باہر نکل آتا ہے اور بادشاہ سے ملاقات کر کے بتاتا ہے کہ اُسے جلا وطن کر دیا جائے گا اور اس کے بچوں کے سر کاٹ کر خونی دروازے میں لٹکا دیے جائیں گے۔ کوئی بھی اس کی بات پر یقین نہیں کرتا لیکن عنبر کی بات پوری ہو کر رہتی ہے — یہاں سے عنبر آدھی رات کو ایک باغ میں آ جاتا ہے، جہاں ایک پُراسرار سایا باغ کے درختوں میں جاتا دکھائی دیتا ہے۔ عنبر اُس کا پیچھا کرتا ہے — یہ سایا آگے جا کر کیا کرتا ہے؟

اب یہ آپ خود پڑھیے گا۔

اے حمید

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ترتیب

- خزانے کی تلاش
- ہیلی کاپٹر سے جنگ
- لال قلعے کی رات
- انگریز جاسوس
- اور جہاز ڈوب گیا

خزانے کی تلاش

رات بڑی اندھیری تھی—

آسمان پر ستارے تھے اور یا دُور ریلوے کے سگنل کی سرخ بتی نظر آ رہی تھی— عنبر کو نیچے ریلوے لائن دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے ریلوے سگنل کی سرخ بتی کو اپنا نشان بنا لیا تھا اور اُسی کی سیدھ میں آگے بڑھ رہا تھا— کچھ دور تک وہ ریلوے لائن سے کوئی پندرہ بیس فٹ اُونچا ہو کر اُڑتا رہا— اس کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی— اس نے سوچا کہ اگر اُس کی رفتار گاڑی کی رفتار سے زیادہ نہ ہوئی تو وہ اسے راستے میں کبھی بھی نہ پکڑ سکے گا۔ اس کی رفتار کم از کم اسّی میل فی گھنٹہ ہونی چاہیے— اور اسے مسلسل اُڑتے رہنا ہوگا— تب کہیں جا کر وہ بمبئی ایکسپریس کو جھانسی اور بھوپال کے درمیان پکڑ سکے گا۔

عنبر نے تعویذ پر ہاتھ رکھ کر ملکہ نفریتی کو یاد کیا اور اس کی رفتار ایک دم تیز ہوگئی—

اب وہ زمین سے کوئی پچاس ساٹھ فٹ اونچا ہوگیا اور

اس کی رفتار بھی کافی تیز ہو گئی تھی — اس کی جیکٹ ہوا سے پھول گئی تھی اور اس کے بال تیز ہوا میں اُڑنے لگے تھے۔ ریلوے سگنل تیزی کے ساتھ عنبر کے نیچے سے گزر گیا — اب اُسے دُور دوسرا ریلوے سگنل دکھائی دینے لگا — پھر وہ بھی گزر گیا۔ اس طرح سے ریلوے سگنل آتے رہے اور گزرتے رہے۔ کوئی آدھ گھنٹے بعد نیچے سے ایک چھوٹا سا سٹیشن گزر گیا، جس کے پلیٹ فارم پر روشنی ہو رہی تھی اور دلّی کو جانے والی گاڑی کھڑی تھی — یہ فرید آباد کا ریلوے سٹیشن تھا — اس کے بعد دُور سے متھرا شہر کی بتیاں جھلملانے لگیں —

عنبر اس شہر کے اُوپر سے ہو کر گزر گیا۔ اور آگے جا کر پھر ریلوے لائن پر آ گیا — عنبر اسی طرح سے آسمان پر کوئی ڈیڑھ سو میل آگے نکل گیا — اب اُسے دُور ایک بڑے شہر کی روشنیاں نظر آئیں — وہ ان سارے راستوں سے واقف تھا — یہ آگرہ شہر تھا جہاں تاج محل تھا، مگر رات کے اندھیرے میں تاج محل نظر نہیں آتا تھا — آگرہ شہر کے پاس جا کر وہ ہوا میں کافی بلند ہو گیا وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اسے دیکھے —

وہ اس تاریخی شہر کے ریلوے سٹیشن کے اوپر سے گزر گیا — اور اب اس کی منزل دولت پور اور اس کے بعد گوالیار کا شہر تھا — رات کے اندھیرے میں ہوا میں اڑتے ہوئے جب اُس نے کوئی دو

سو میل کا سفر طے کر لیا تو وہ گوالیار پہنچ گیا۔ یہ بھی ایک تاریخی شہر تھا — اور مسلمانوں کی بے شمار یادگاریں اور عظیم الشان مسجدیں یہاں پر تھیں — شہر میں جگہ جگہ روشنیاں ہو رہی تھیں —

رات اب کافی گزر چکی تھی — اس نے اُڑتے اُڑتے گھڑی دیکھی — اس کی روشن سوئیوں نے بتایا کہ رات کے تین بج رہے ہیں — اب وہ جھانسی کی طرف اُڑتا جا رہا تھا — بمبئی ایکسپریس اُسے کہیں بھی نہیں ملی تھی — بمبئی کی طرف سے آتی ہوئی اسے کئی ایک گاڑیاں ملیں — صبح ہو رہی تھی جب وہ بھوپال کے آس پاس پہنچ گیا — یہاں اس نے دُور ایک ریل گاڑی کی پیچھے والی لال بتی دیکھی —

یقیناً یہی بمبئی ایکسپریس تھی — عنبر اسی رفتار سے ٹرین کی طرف اُڑتا چلا گیا — بمبئی ایکسپریس بھی شور مچاتی ہوئی بھوپال شہر کے ریلوے اسٹیشن کی طرف بھاگی جا رہی تھی — دُور بھوپال ریلوے سٹیشن اور شہر کے کارخانوں کی روشنیاں دکھائی دینے لگیں۔ عنبر نے اپنی رفتار کم کر دی — وہ زمین کی طرف کچھ نیچے آ گیا۔ بمبئی ایکسپریس بھوپال کے خوب صورت ریلوے سٹیشن میں داخل ہو کر آہستہ آہستہ رکتی پلیٹ فارم پر ٹھہر گئی —

عنبر نے ایسا کیا کہ ریلوے لائن سے ہٹ کر سٹیشن کے عقب میں آ کر اپنی رفتار بہت کم کر دی۔ اور ہولے ہولے زمین پر

اُترنا شروع کر دیا — وہ ایک ویران اور خاموش سڑک پر آ کر اُتر گیا — سب سے پہلے تو اُس نے آس پاس اس خیال سے دیکھا کہ کسی نے اسے اُترتے ہوئے تو نہیں دیکھا — وہاں کوئی نہیں تھا۔ آسمان پر صبح کی ہلکی ہلکی گلابی روشنی پھیل رہی تھی — اور بھوپال کی ایک شان دار مسجد کے مینار صبح کے نور میں جھلک رہے تھے —

عنبر پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ریلوے سٹیشن کی طرف آ گیا۔ اس نے گیٹ پر ایک قلی سے بمبئی ایکسپریس کے بارے میں پوچھا — اُس نے بتایا، بمبئی ایکسپریس ابھی ابھی آ کر رُکی ہے —

عنبر نے بمبئی کا ٹکٹ لیا اور پلیٹ فارم پر آ گیا — اُس نے سب سے پہلے اس ٹرین کو دیکھا جس کی خاطر وہ ہوا میں اسی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اُڑتا آیا تھا — ٹرین کافی لمبی تھی، اور مسافروں سے بھری ہوئی تھی — ایک لمبا سا ڈبہ تھا جس کے باہر لکھا تھا:

"محکمہ خزانے کا ڈبہ"

یہی وہ ڈبہ تھا جس کے اندر عنبر کی امانت یعنی سونے کی ڈلی رکھی ہوئی تھی — عنبر اس کے ساتھ والے ڈبے میں سوار ہو گیا —

گارڈ نے سیٹی بجائی۔ انجن نے زور دار وسل دیا — اور چھک چھک کے ساتھ بمبئی ایکسپریس بھوپال کے ریلوے سٹیشن سے باہر نکلنے لگی —

سٹیشن کے یارڈ سے باہر نکل کر ٹرین کی رفتار تیز ہو گئی۔ اور وہ اگلے بڑے شہر یعنی اگارسی کی طرف دوڑنے لگی۔ اس ٹرین کی ہر بوگی میں پانچ چھ ڈبے تھے۔ ڈبوں کے آگے ایک کاریڈار یا راہداری تھی — اور ہر بوگی ایک درمیانی راستے سے ملی ہوئی تھی — خزانے کی بوگی کے دونوں دروازوں پر پولیس کا سپاہی رائفل لیے کھڑا تھا۔ جس ڈبے میں سونا اور کرنسی نوٹ رکھے تھے اس کے دروازے پر بھی کاریڈار میں ایک سپاہی کھڑا تھا — ساتھ والے ڈبے میں پولیس کی پوری مسلح گارد بیٹھی تھی —

گویا خزانے کی حفاظت کا بڑا زبردست انتظام تھا اور عنبر کے لیے ہر قدم پر مشکل ہی مشکل تھی — عنبر چلتی ٹرین میں دو ایک بار خزانے کے ڈبے کے آگے سے گزرا — دروازے پر پہرہ دینے والے سکھ سپاہی نے اُسے گھور کر بھی دیکھا کہ یہ نوجوان بار بار آگے سے کیوں گزر رہا ہے۔

عنبر سوچنے لگا کہ اُسے کیا ترکیب اختیار کرنی چاہیے کہ خزانے سے اپنی امانت واپس حاصل کر سکے۔ ٹرین بڑی تیزی

سے بھاگی جا رہی تھی — دن نکل آیا تھا — باہر کھیتوں اور پہاڑیوں کی ڈھلوانوں پر دھوپ چمک رہی تھی — یہ علاقہ چھوٹے چھوٹے اونچے ٹیلوں سے بھرا ہوا تھا — جن پر سبزہ تھا اور کہیں کہیں چھالیہ کے درخت نظر آ رہے تھے — دوپہر کے بعد گاڑی اگاسی پہنچ کر چار پانچ منٹ رُکی اور پھر چل پڑی —

عنبر خزانے کے ڈبے میں داخل ہونے کی کوئی ترکیب نہ سوچ سکا — شام کے وقت ٹرین بھوساول پہنچ گئی۔ عنبر ٹرین سے اُتر کر پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگا — ایک سپاہی اس کے پاس آیا اور اُس سے پوچھنے لگا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہا ہے!

عنبر نے اُسے اپنا پاسپورٹ دکھاتے ہوئے کہا کہ وہ مصری باشندہ ہے اور بمبئی سیر کرنے جا رہا ہے — سپاہی چپ چاپ پاسپورٹ عنبر کے حوالے کر کے ایک ڈبے میں سوار ہو گیا۔

آدھی رات کو ناسک روڈ کا شہر آیا اور گزر گیا — پھر دیولالی آ گیا — اس کے بعد گاڑی اگت پوری پہنچ کر رُک گئی۔ یہاں سے پہاڑی چڑھائی شروع ہوتی تھی — ٹرین کو بجلی کا انجن لگا دیا گیا — بمبئی شہر یہاں سے کوئی تین سو میل دُور رہ گیا تھا۔ عنبر خزانے کے ڈبے میں داخل نہ ہو سکا تھا۔ اب اُس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ بمبئی پہنچ کر ہی کچھ کرے گا — دوپہر کے وقت

بمبئی ایکسپریس بمبئی سنٹرل کے ریلوے سٹیشن میں داخل ہو گئی —

عنبر ٹرین سے اُتر کر خزانے کے ڈبے کے سامنے ایک کھمبے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا — ڈبے میں سے خزانے کے آہنی بکس اُتار کر ٹریلر پر لادے گئے — اور قلی گارڈ کی حفاظت میں اُسے لے کر باہر چلے — عنبر بھی ذرا فاصلہ رکھ کر ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ باہر محکمے کی ویگن کھڑی تھی — خزانہ اس میں رکھ دیا گیا اور ویگن چل پڑی — عنبر نے ایک ٹیکسی لی اور ڈرائیور سے کہا کہ وہ اس کا پیچھا کرے —

ویگن بمبئی کی گنجان آبادی والی سڑکوں سے ہوتی ہوئی ایک سات منزلہ عمارت کے پورچ میں داخل ہو گئی — یہ خزانے کا دفتر تھا — خزانہ اس عمارت میں لے جا کر دفتر کے لاک روم میں رکھ دیا گیا اور باہر سپاہی پہرے پر کھڑا ہو گیا —

عنبر اس عمارت کے اُوپر تک آیا تھا — سارے ماحول کا اچھی طرح سے جائزہ لینے کے بعد عنبر نے ایک ہوٹل میں آ کر کمرہ لے لیا — غسل کیا — کھانا کھایا اور سمندر کے کنارے آ کر ٹہل ٹہل کر سوچنے لگا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہیے؟

ایک ہی ترکیب بار بار اُس کے دماغ میں آ رہی تھی کہ وہ رات کے اندھیرے میں وہاں جا کر اپنی امانت حاصل کرنے کی کوشش کرے — دن کے وقت یہ کام بڑا مشکل تھا اور وہاں

ہنگامہ کھڑا ہو سکتا تھا جو عنبر نہیں چاہتا تھا — یہی طے کر کے عنبر واپس اپنے ہوٹل کے کمرے میں آ کر لیٹ گیا اور رات کا انتظار کرنے لگا —

کافی انتظار کے بعد آخر رات ہو گئی — جب رات کے بارہ بج کر چالیس منٹ ہوئے تو عنبر ہوٹل سے باہر نکلا — اُس نے دن کے وقت ہی نائیلون کی ایک رسی خرید لی تھی — یہ رسی اُس کی جیب میں تھی —

سڑک پر آ کر اُس نے پیدل ہی خزانے کی عمارت کی طرف چلنا شروع کر دیا — وہ عمارت کے پچھلے حصے میں آ گیا۔ یہ ایک تنگ سی گلی تھی، جہاں عمارتوں کے صرف پچھلے حصے ہی تھے اور داخل ہونے والا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ اس قسم کی گلیوں کو بمبئی میں کچرا گلی کہا جاتا ہے اور یہاں کھڑکیوں میں سے لوگ کوڑا کرکٹ پھینک دیتے ہیں — کارپوریشن کا ٹرک آتا ہے اور کوڑا کرکٹ اٹھا کر لے جاتا ہے —

عنبر خزانے کی عمارت کے بالکل نیچے کھڑا تھا — ایک جگہ اُس نے چُن لی — اور جیب سے رسی نکال کر اُس کے آگے پھندا بنا کر اُسے زور سے اوپر اچھال دیا — خزانے والا کمرہ تیسری منزل پر تھا اور یہاں ایک بجلی کے بلب کی سلاخ باہر کو نکلی ہوئی تھی — تیسری بار کی کوشش سے رسی کا پھندا اُس سلاخ میں

جا کر پھنس گیا — عنبر نے اوپر چڑھنا شروع کیا — گلی میں بلب کی دھندلی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی — کوئی آدمی بھی وہاں نہیں تھا — رات گہری ہونے کی وجہ سے لوگوں نے کھڑکیاں بند کر رکھی تھیں۔ صرف دو ایک کھڑکیوں میں روشنی ہو رہی تھی — عنبر بڑے آرام سے اوپر چڑھ رہا تھا — آخر وہ بجلی کی آہنی سلاخ پر پاؤں رکھ کر تیسری منزل کی کارنس پر کھڑا ہو گیا —

پھر وہ بڑے اطمینان سے دیوار کا سہارا لیے آگے بڑھنے اس کا نشانہ تیسری منزل کی ایک کھڑکی تھی، جسے وہ صبح کے وقت دیکھ گیا تھا — کھڑکی کے پاس پہنچ کر اُس نے نیچے گلی میں دیکھا — کوئی انسان نہیں تھا — عنبر نے کھڑکی کو دھکا دے کر کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی کھڑکی میں داخل ہو گیا۔ یہ خزانے کے دفتر کا باتھ روم تھا۔ یہاں دھیمی سی بتی جل رہی تھی — عنبر نے دروازے کے ساتھ کان لگائے — دوسری طرف سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی —

راستہ صاف تھا۔ عنبر نے بڑے آرام سے دروازہ تھوڑا سا کھول کر باہر دیکھا — کاریڈار خالی پڑا تھا — ایک جگہ چھت میں سے دھندلی روشنی آ رہی تھی — عنبر جلدی سے باتھ روم سے نکل کر کاریڈار میں آ گیا — اور خزانے کے کمرے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا — وہ دیوار کے ساتھ لگ کر آگے بڑھ رہا تھا جس کمرے

میں خزانہ تھا — اس کا دروازہ بالکل قریب آگیا تھا کہ اچانک راہ داری میں ایک سکھ سپاہی سامنے آگیا — اس نے جو ایک آدمی کو چوروں کی طرح رینگتے دیکھا تو جھٹ پستول تان کر کہا:

"ہینڈز اپ"

عنبر کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ ہاتھ کھڑے کرتا یا اس سکھ سپاہی سے کوئی بات کرتا — وہ بجلی کی چمک کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا — اس کی ایک لات سکھ کے پستول والے ہاتھ پر پڑی۔ پستول اس کے ہاتھ سے اچھل کر چھت سے لگ کر نیچے گرا۔ دوسری لات سکھ کے سینے پر پڑی اور وہ کوئی آواز نکالے اور کسی کو مدد کے لیے بلائے بغیر ہی راہداری کے فرش پر گر پڑا۔ عنبر نے اس کے اوپر چھلانگ لگائی اور سکھ کی کھوپڑی پر زور سے گھونسہ مارا۔

سکھ سپاہی بے ہوش ہو چکا تھا — میدان اگرچہ صاف تھا، مگر وقت بہت خطرناک تھا — وہاں کوئی دوسرا سپاہی بھی آسکتا تھا — عنبر نے خزانے والے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اسے زور سے دھکا دیا — دروازہ کھل گیا — وہ اندر چلا گیا اور دروازہ بند کر لیا۔ تنگ سا کمرہ مختلف چیزوں اور آہنی صندوقوں سے بھرا ہوا تھا۔ عنبر نے سامان کی تلاشی لینا شروع کر دی — اس کی امانت کسی صندوق میں بھی نہیں تھی۔ ایک صندوق میں سونے کی تین اینٹیں اور جواہرات

کا بکس پڑا تھا — عنبر نے اسے ہاتھ بھی نہ لگایا اور بند کر کے دوسرے صندوق کا تالہ توڑا تو اس میں اسے اپنی امانت مل گئی۔ ایک ڈبے میں اس کی سونے کی ڈلی پڑی ہوئی تھی۔ عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا اور سونے کی ڈلی نکال کر اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھی اور کمرے سے باہر آگیا —

کاریڈار میں سکھ ابھی تک بے ہوش پڑا تھا۔ عنبر جلدی جلدی راہداری سے گزر کر باتھ روم کی طرف گیا تو اس کا دروازہ اندر سے بند تھا — اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی ابھی ابھی باتھ روم میں گیا تھا۔ عنبر پریشان سا ہو گیا — یقیناً یہ کوئی دوسرا پہرے دار سپاہی تھا جس نے بے ہوش سکھ کو نہیں دیکھا تھا — کیونکہ وہ اندھیرے میں پڑا تھا۔

عنبر نے سوچا کہ جو بھی کوئی اندر گیا ہے وہ کھلی کھڑکی میں باہر لٹکتی رسی کو ضرور دیکھ لے گا اور پھر شور مچا دے گا اور یہی ہوا۔ اچانک باتھ روم کی چٹخنی کھلنے کی آواز آئی — عنبر دیوار کے ساتھ ذرا اندھیرے میں ہو گیا — ایک ہندو مرہٹہ سپاہی گھبرایا ہوا باہر نکلا۔ اور اس نے باہر آتے ہی جیب سے خطرے کی سیٹی نکال کر بجانا شروع کر دی — اس کی آواز کے ساتھ ہی سارے پہرے دار خبردار ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

عنبر اندھیرے میں کھڑا رہا — وہ تین سپاہی دوڑتے ہوئے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

اس کے آگے سے گزرے ۔اور پھر اچانک کسی نے کاریڈار کی بتیاں جلا دیں اور وہاں روشنی ہوگئی ۔

سپاہیوں نے سکھ سپاہی کو بے ہوش پڑے دیکھا تو اور زیادہ شور مچادیا۔ عنبر باتھ روم کی طرف بھاگا ہی تھا کہ ایک سپاہی نے سیٹی بجا کر شور مچا دیا:

"پکڑو پکڑو، چور باتھ روم میں گھسا ہے۔"

سپاہیوں نے باتھ روم پر حملہ کر دیا۔ وہ سارے کے سارے اندر گھس آئے۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ اب انہوں نے کھڑکی میں سے باہر جھانکا تو انہیں ایک ایسا منظر دکھائی دیا کہ جو انہوں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ایک جیکٹ والا نوجوان بڑے آرام سے ہوا میں اُڑتا ہوا نیچے جا رہا تھا۔

عنبر بغیر اشد ضرورت کے کبھی اپنی خفیہ طاقت استعمال نہیں کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آتی دفعہ وہ رسّی کی مدد سے اوپر چڑھا تھا۔ وہ اب بھی رسّی ہی کے ذریعے نیچے اُترتا۔ مگر ان لوگوں نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔

پہلے تو سپاہی بُت سے بنے تکتے رہے۔ پھر انہوں نے فائر کھول دیا۔ گولیوں کی آواز سن کر سارا علاقہ جاگ پڑا۔ گولیاں عنبر کے دائیں بائیں سے ہو کر نیچے گلی کے فرش سے ٹکرائیں۔ دو تین گولیاں اس کے سر پر بھی لگیں، مگر اُس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ گلی میں ساری کھڑکیاں کھل گئیں۔ لوگ نیچے جھانک کر دیکھنے لگے کہ کیا ماجرا ہے۔ مگر اس دوران میں عنبر گلی میں اُتر کر بازار کی طرف بھاگ چکا تھا۔

پولیس کے سپاہی سیٹیاں بجاتے اس کی تلاش میں نیچے سڑک پر اُتر آئے۔ مگر عنبر اندھیرے میں گم ہوگیا تھا۔ سپاہیوں نے سارے علاقے کی پولیس کو فون پر خبردار کر دیا۔ سارے علاقے کو پولیس نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ عنبر ایک بازار میں نکلا تو سامنے پولیس کی گاڑی کھڑی تھی۔ وہ دوسری طرف چلا گیا۔ ادھر بھی باہر نکلنے لگا تو سامنے سپاہی رائفلیں تانے اُسے ڈھونڈ رہے تھے۔

عنبر ایک بلڈنگ کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگیا۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ لوگ گہری نیند سو رہے تھے۔ صرف اُس جگہ کے لوگ جاگے تھے، جہاں عنبر نے کھڑکی سے چھلانگ لگائی تھی۔ ادھر کسی کو کچھ خبر نہیں تھی۔ عنبر اس بلڈنگ کی چھت پر آگیا۔ اس نے منڈیر کے ساتھ لگ کر نیچے جھانک کر دیکھا۔ سارے علاقے میں پولیس کی گاڑیاں ہی گاڑیاں تھیں اور پولیس سرچ لائٹ سے عنبر کو تلاش کر رہی تھی۔

اُن کے شور سے اب اس طرف والے فلیٹوں کے لوگ بھی جاگنا شروع ہوگئے تھے۔ عنبر ایک طرح سے گھیرے میں آگیا تھا۔

وہ اگر چھت پر سے نیچے چھلانگ بھی لگاتا تو اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ پولیس اسے پکڑ لیتی ۔۔۔ وہ اگر مقابلہ بھی کرتا تو ایک ایسا ہنگامہ کھڑا ہو جاتا کہ ہو سکتا تھا، کچھ لوگ عنبر کے ہاتھوں مارے بھی جاتے ۔۔۔ اور عنبر کسی کو بے گناہ مارنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ خواہ مخواہ خون بہانے سے یہی بہتر ہے کہ سونا کسی جگہ چھپا کر اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔

وہ چھت پر کوئی مناسب جگہ تلاش کرنے لگا۔ چھت کے بیچ میں ایک گول روشندان تھا جو بند پڑا تھا اور جس کے شیشوں کی جگہ لکڑی کے تختے جڑے ہوئے تھے۔ عنبر نے آخر ایک جگہ ڈھونڈ لی۔ اس نے ایک تختہ اکھاڑ کر اس کے اندر سونے کی ڈلی چھپائی اور پھر سے اوپر تختہ جڑ دیا۔ اب وہ مطمئن تھا ۔۔۔ وہ عمارت کے نیچے سڑک پر آ گیا ۔۔۔ سڑک پر آتے ہی سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا ۔۔۔ اس کی جیکٹ نے اس کے چور ہونے کا اعلان کر دیا تھا ۔۔۔ کیونکہ باتھ روم کے سپاہیوں نے اس کی جیکٹ کو دیکھ لیا تھا ۔۔۔

عنبر کو جیپ میں بٹھا کر پولیس سٹیشن لے جایا گیا۔ وہاں اس کی تلاشی ہوئی۔ کوئی شے برآمد نہ ہوئی ۔۔۔ کچھ روپے تھے جو پولیس نے اپنے قبضے میں کر لیے ۔۔۔ خزانے میں سے سونے کی ایک ڈلی غائب تھی ۔۔۔ عنبر کو ایک تنگ سے تہ خانے میں بند کر کے

پولیس نے اس پر تشدد شروع کر دیا۔ وہ سونے کی ڈلی کے بارے میں پوچھ رہی تھی کہ عنبر نے اسے کہاں چھپا دیا ہے! تشدد کا عنبر پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا ۔۔۔ نہ اسے چوٹ لگتی تھی، نہ کوئی زخم آتا تھا پھر اسے کیا ضرورت تھی بتانے کی کہ سونا اس نے فلاں جگہ پر رکھا ہے ۔۔۔ تھانیدار نے اس کے جسم کے ساتھ تار باندھ کر بجلی کا سوئچ آن کر دیا ۔۔۔ تاروں سے ایک شعلہ سا نکلا ۔۔۔ عنبر کو ایک زبردست جھٹکا لگا، مگر وہ مسکراتا رہا۔

"آپ لوگ میرا اور اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ سونے کی ڈلی میری امانت تھی ۔۔۔ میں نے اسے ایک جگہ پر چھپا دیا ہے اور میں آپ کو کبھی نہیں بتاؤں گا کہ وہ جگہ کون سی ہے۔"

تھانیدار مرہٹہ تھا اور بڑا ظالم قسم کا انسان تھا وہ اس سے پہلے بجلی کے جھٹکے دے دے کر تین چوروں کو ہلاک کر چکا تھا۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ عنبر سخت جان ہے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ عنبر ایک ایسا انسان ہے جو مرتا نہیں اور جس پر دنیا کی کوئی تکلیف کوئی تشدد اپنا اثر نہیں کرتا۔ تھانیدار نے عنبر کو برف کی سل پر بٹھا دیا۔ برف کی سل پگھل گئی مگر عنبر کو ذرا سا بھی محسوس نہ ہوا۔

اب تھانیدار نے عنبر کے جسم کو گرم سلاخ سے داغنے کی کوشش کی۔ دہکتی ہوئی سرخ سلاخ جب عنبر کے جسم سے لگی تو دھواں سا

اُٹھا اور سلاخ بُجھ گئی۔ جیسے پتھر سے جا لگی ہو۔ تھانیدار نے عنبر کے جسم کو ٹٹول کر دیکھا۔ اس کا جسم ویسے بالکل عام انسانوں کے جسم ایسا تھا اور نرم تھا۔

اس نے چاقو کی نوک عنبر کے جسم میں چبھونے کی کوشش کی۔ چاقو کی نوک مُڑ گئی۔ تھانیدار اب کچھ حیران سا ہوا کہ ماجرا کیا ہے؟

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا:

"احمق تھانیدار، تم چاہے کچھ کر لو۔ مجھ پر تمہارے تشدد کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔"

تھانیدار نے عنبر کا بازو پکڑ کر کہا:

"تم کون ہو۔؟"

عنبر نے بڑے غور سے گہری نظروں کے ساتھ تھانیدار کو دیکھا اور کہا:

"میں ہنو مان ہوں جو ہوا میں اُڑتا ہے۔"

اس پر تھانیدار نے بڑے زور سے عنبر کو تھپٹر مارا۔ مگر اس کے ساتھ ہی خود ہاتھ پکڑ کر دُہرا ہو گیا۔ کیونکہ اس کے ہاتھ کو سخت چوٹ لگی تھی، جیسے اُس نے کسی پتھر کی سِل پر اپنا ہاتھ مار دیا ہو۔

عنبر کو غصہ تو بہت آیا۔ مگر وہ غصے کو ضبط کر گیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

خواہ مخواہ کسی بھی انسان کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تھانیدار چلّا کر کہا:

"اسے حوالات میں بند کر دو۔"

عنبر کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ دوسرے روز عدالت میں پولیس نے چالان پیش کر دیا۔ اور اپنی طرف سے ڈال کر عنبر پر خزانے کی چوری ثابت کر دی۔ ایک دن میں ہی فیصلہ ہو گیا۔ عنبر کو چھ مہینے کی قید بامشقت ہو گئی۔

عنبر کو بمبئی کی جیل میں بند کر دیا گیا۔

جیل میں عنبر نے ایک دو دن آرام کرنے کی غرض سے کاٹ دیے۔ یہاں دوسرے بدمعاشوں نے عنبر کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ عنبر نے انہیں بتایا کہ وہ ایک شریف آدمی ہے۔ اس پر سارے قیدی ہنس پڑے:

"ارے شریف آدمی کا جیل میں کیا کام؟"

عنبر نے انہیں بتایا کہ اُس پر چوری کا جھوٹا مقدمہ بنایا گیا تھا۔ وہ بے گناہ ہے۔ اس نے خزانے سے صرف اپنی امانت حاصل کی تھی جسے پولیس نے اس سے چھین لیا تھا۔

ایک قیدی بڑا بدمعاش تھا۔ وہ مسلمانوں کا دشمن تھا اور بڑا متعصب تھا۔ اس کا نام رنجن تھا اور مرہٹہ تھا۔ وہ عنبر

اُٹھا خلاف ہوگیا — اور ایک دن چھوٹی سی بات پر چاقو کھول
کے ح عنبر کے سامنے آگیا —
کے ح عنبر اُس کی طرف دیکھ کر مسکراتا رہا — رنجن کو اور زیادہ
ں آ گیا۔ اس نے عنبر پر حملہ کر دیا — تمام قیدی پرے پرے
کی ہو گئے — انہیں یقین تھا کہ عنبر کی لاش تھوڑی دیر میں تڑپ
ماجرا ہو گی — کیونکہ رنجن جیل کا بدمعاش قیدی تھا اور اس
یل کے عملے کے لوگ اور سپاہی بھی کانپتے تھے۔ وہ اس
پہلے چھ سات خون کر چکا تھا — قیدی اس بات پر بھی
کو اُن سمجھتے کہ عنبر آگے سے کوئی جواب نہیں دے رہا — بلکہ
ے آرام سے کھڑا مسکرا رہا ہے —

عنبر نے صرف اتنا کہا :

"دوستو، رنجن کو میرے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے، یہ دشمنی میں مجھے قتل کرنا چاہتا ہے اور یہ قتل کرنے کی بڑی گھٹیا وجہ ہے — لیکن اگر میں قتل نہ ہوا اور میری جگہ رنجن کی لاش پڑی ہو تو مجھ پر الزام نہ دینا —"

رنجن نے بڑک مار کر کہا :

"میں نے تم ایسے کئی بدمعاش دیکھے ہیں — حملہ کرو — نہیں تو میں حملہ کر رہا ہوں "

عنبر نے کہا :

" نہ میں حملہ کروں گا اور نہ میں تمہیں حملہ کرنے کی ترغیب دوں گا — میں مسلمان ہوں اور مسلمان امن اور سلامتی سے زندگی بسر کرتا ہے —"

اس پر رنجن نے اسلام کے خلاف ایسی گھٹیا باتیں کیں کہ اب عنبر سے برداشت نہ ہو سکا — اس نے للکار کر کہا :

" رنجن، میں اسلام کے خلاف کوئی لفظ نہیں سُن سکتا۔ اب میری تمہاری کھُلی جنگ ہے —"

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا —"

یہ کہہ کر رنجن نے چاقو لہرایا اور عنبر کی طرف اچھل کر چاقو کا بڑا زور دار وار اس کے پیٹ پر کر دیا — رنجن کا خیال تھا کہ چاقو عنبر کے پیٹ میں گھس کر اس کی انتڑیاں باہر نکال دے گا۔ مگر وہاں معاملہ ہی الٹ ہو چکا تھا — چاقو کا پھل کسی پتھر کی چٹان ایسے پیٹ سے ٹکرا کر رنجن کے ہاتھ میں ٹوٹ گیا تھا — اور اس کا اپنا ہاتھ زخمی ہو گیا تھا —

عنبر نے کہا :

"اب میرا وار سہنے کے لیے تیار ہو جاؤ —"

عنبر نے ایک جست لگائی — وہ ہوا میں کوئی پندرہ فٹ اچھلا — اس کا سر چھت کے قریب سے ہو کر نیچے آیا اور عنبر رنجن کے اوپر گرا — رنجن لڑھک کر دوسری طرف ہو گیا۔ مگر

عنبر نے اُسے ایک ہاتھ سے اٹھا کر فضا میں اچھال دیا۔ رنجن کا جسم جیل خانے کی چھت سے ٹکرا کر نیچے فرش پر آیا تو عنبر نے اس پر ترس کھا کر اسے راستے میں ہی دبوچ کر اپنی ہتھیلی پر اٹھا لیا اور پھر ایک لٹو کی طرح اُسے گھما کر فرش پر چھوڑ دیا۔ رنجن بدمعاش چھ سات چکر کھا کر فرش پر اوندھے منہ گر پڑا۔

"اب بولو، میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟"

سارے قیدی دم بخود ہو کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے عنبر کو دیکھ رہے تھے۔ رنجن بھی حیران تھا کہ یہ انسان ہے یا کوئی دیوتا ہے۔

سارے قیدی ہاتھ باندھ کر عنبر کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ عنبر نے بدمعاش رنجن کو گردن سے پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔ وہ تین قلابازیاں کھا کر سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ جب اُٹھا تو عنبر کو دہشت زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور کانپ رہا تھا۔ سارے ہندو قیدیوں نے نعرہ لگایا:

"جے ہنومان پُتر کی جے۔"

عنبر نے ہاتھ اُٹھا کر کہا:

"سُنو، میں ہنومان پتر نہیں ہوں، بلکہ ایک سچا مسلمان ہوں۔ اپنے دین سے پیار کرتا ہوں۔ خدا کو ایک مانتا ہوں،

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا آخری نبی مانتا ہوں۔ یہ طاقت جو تم مجھ میں دیکھ رہے ہو، اللہ کی دی ہوئی ہے۔"

ہیلی کاپٹر سے جنگ

رحمن بدمعاش کے ساتھ تین قیدی مسلمان ہو گئے — انھوں نے بُرائی کی زندگی سے توبہ کر لی اور اسلام کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے پکے مسلمان بن گئے — اب عنبر وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ شاید وہ اسی نیک کام کے لیے جیل میں آیا تھا جو وہ پورا کر چکا تھا —

چنانچہ ایک رات جبکہ جیل میں ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی — عنبر قیدیوں کی کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ وارڈن نے اُسے باہر نکلتے دیکھ کر غصّے سے کہا کہ واپس کوٹھڑی میں سو جاؤ — عنبر کوٹھڑی میں واپس آ گیا — وہ یونہی کسی انسان سے الجھنا پسند نہیں کرتا تھا — جب پہرے دار دُور چلا گیا تو عنبر دوبارہ کوٹھڑی سے باہر نکلا — اسے رحمن نے جس کا اسلامی نام عنبر نے اسلام الدین رکھ دیا تھا — باہر جاتے دیکھ لیا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے باہر آ گیا اور پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟

عنبر نے مُڑ کر رحمن کو دیکھا اور کہا :

" اسلام الدین، میں ایک مشن پر یہاں آیا تھا — وہ خدا نے پورا کر دیا ہے — اب میں واپس جا رہا ہوں "

اسلام الدین نے کہا :

" بھائی صاحب، آپ جیل سے کیسے باہر نکلیں گے۔ یہاں تو بڑا سخت پہرہ ہے — "

عنبر نے کہا :

" جیل کی سلاخیں اور دروازے مجھے کچھ نہیں کہتے — میں ادھر نہیں جاؤں گا — جانے سے پہلے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کبھی کسی انسان کو دکھ نہ دینا — اپنی زندگی اسلام کے مطابق بسر کرنا، قید کاٹ کر باہر جاؤ تو محنت مزدوری کر کے اپنی روزی پیدا کرنا، اللہ تعالیٰ برکت ڈالے گا۔ اچھا اب میں جاتا ہوں "

اسلام الدین سے عنبر نے ہاتھ ملایا تو اُس نے ایک بار پھر پوچھا :

" عنبر بھائی، آپ باہر کس طرح جائیں گے ؟ "

عنبر نے کہا :

" اُڑ کر — "

اور وہ کوٹھڑی کے صحن میں آ کر کھڑا ہو گیا — اتنے میں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

ایک پہرے دار نے انہیں دیکھ لیا۔ وہ للکارتا ہوا رائفل تانے اُن کی طرف بڑھا:

"خبردار، وہیں رُک جاؤ"

عنبر نے پہرے دار کی للکار کی کوئی پروا نہ کی۔ اس نے اسلام الدین کی طرف دیکھ کر کہا:

"جاؤ اپنی کوٹھڑی میں۔"

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے اپنے بازو کے تعویذ پر ہاتھ رکھ کر ملکہ مصر کو یاد کیا اور وہ زمین سے اُوپر اُٹھنے لگا۔ اسلام الدین یعنی پہلے والا رنجن بدمعاش بُت بنا یہ نظارا تکنے لگا۔ پہرے دار بھی ایک لمحے کے لیے اپنی جگہ پر دم بخود ہو کر کھڑا رہ گیا۔ عنبر اب زمین سے پندرہ فٹ اُوپر ہو چکا تھا۔ پہرے دار نے رائفل کا رُخ اُس کی طرف کر کے فائر کر دیا۔ گولی عنبر کی ٹانگ سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔ عنبر اب ہوا میں اُڑتا ہوا جیل کی کوٹھڑیوں کے اوپر سے ہو کر باہر کو جا رہا تھا۔

پہرے دار نے دو تین فائر کیے اور پھر بندوق پھینک کر ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اسلام الدین حیران کھڑا تھا۔ دوسرے قیدی بھی باہر نکل آئے تھے اور ستاروں بھرے آسمان میں اپنے ساتھی قیدی عنبر کو اُڑتا دیکھ رہے تھے۔

جب عنبر ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو پہرے دار نے سیٹی بجا کر جیل میں خطرے کا اعلان کر دیا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ عنبر اُن کی پہنچ سے دُور نکل چکا تھا۔

بمبئی شہر کی عمارتوں اور فلیٹوں کے اُوپر اُڑتا ہوا عنبر اندازے سے اُس بلڈنگ کی طرف چلا جس کی چھت پر اس نے سونے کی ڈلی چھپا رکھی تھی۔ رات کا وقت تھا۔ لوگ اپنے اپنے فلیٹوں اور کمروں میں سو رہے تھے۔ کسی نے اُسے اڑتے ہوئے نہ دیکھا۔

عنبر اُس عمارت پر پہنچ گیا۔ چھت پر اتر کر وہ سیدھا روشندان کے پاس گیا۔ لکڑی اکھاڑ کر دیکھا۔ اس کی امانت اپنی جگہ پڑی تھی۔ سونے کی ڈلی عنبر نے وہاں سے اٹھا کر اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھی اور سوچنے لگا کہ اب کیا کرے؟ وہاں سے اُتر کر سڑک پر جانا خطرناک تھا۔

چنانچہ وہ چھت پر سے ایک بار پھر اُڑا اور ہوا میں ایک لمبا سا چکر کھا کر تاج محل ہوٹل کے اوپر سے ہوتا گیٹ وے آف انڈیا کی طرف آگیا۔ یہاں بھی سڑکیں سنسان تھیں۔ کسی وقت کوئی گاڑی گزر جاتی تھی۔ سمندر کی طرف سے لہروں کے ہلکے ہلکے شور کی آواز آ رہی تھی۔ چوپاٹی کا ساحل ویران پڑا تھا۔ اُس کے سامنے میرن ڈرائیو کی جو شاندار عمارتیں تھیں وہاں بھی خاموشی اور اندھیرا چھایا تھا۔ عنبر ان بلڈنگوں سے کافی اوپر جا کر پرواز

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

کر رہا تھا۔ وہ وہاں سے سیدھا بمبئی کے بوری بندر ریلوے سٹیشن کے اوپر آ گیا۔ اور ایک طرف اندھیرے میں زمین پر اتر آیا۔ اس کے پاس جیب میں ایک پائی بھی نہیں تھی۔

وہ چاہتا تھا کہ صبح صبح پنجاب کو جانے والی ٹرین پنجاب میل میں سوار ہو کر دلّی واپس پہنچ جائے کیونکہ دلّی سے ہی کسی وقت اُس کا واپسی کا سنسنی خیز سفر شروع ہونے والا تھا۔ وہ ٹکٹ خرید کر ٹرین میں سفر کرنا چاہتا تھا، لیکن اُس کے سارے پیسے جیل والوں نے رکھوا لیے تھے۔

آخر وہ اس فیصلے پر پہنچا کہ دن نکلے تو وہ سونے کی ڈلی میں سے تھوڑا سا سونا توڑ کر بازار میں فروخت کرے اور ان پیسوں سے ٹکٹ خرید کر ریل میں بیٹھ جائے۔

ریلوے سٹیشن پر رونق تھی۔ وہاں سے اُسے پتا چلا کہ پنجاب میل صبح صبح نہیں، بلکہ دس بجے دن چڑھے جاتی ہے۔ عنبر بڑا خوش ہوا۔ اسے کافی وقت مل گیا تھا۔ اُس نے یوں ہی شوق پورا کرنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا، پچاس پیسوں کا ایک سکہ نکل آیا۔ اس نے پلیٹ فارم پر ایک جگہ چائے پی۔ اور منہ ہاتھ دھو کر ایک خالی ڈبے میں آ گیا۔ یہاں اُس نے جیب سے سونے کی ڈلی نکال کر اس پر مُکا مارا۔ تھوڑا سا سونا ٹوٹ کر الگ ہو گیا۔

عنبر نے وہ چھوٹا سا ٹکڑا الگ جیب میں رکھ لیا اور سیدھا بمبئی کے صرافہ بازار کی طرف روانہ ہو گیا۔

نو بجے بازار کھل گئے۔ عنبر نے ایک ہندو گجراتی سنار کو جا کر سونے کا چھوٹا ٹکڑا دکھایا اور کہا کہ وہ اسے بیچنا چاہتا ہے۔ گجراتی سیٹھ سمجھ گیا کہ یہ کوئی چور ہے۔ وہ خود بہت بڑا چور تھا۔ اس سونے کی قیمت کوئی تین ہزار روپے ہو گی۔ مگر سیٹھ نے کہا کہ وہ اس کے صرف آٹھ سو روپے دے گا۔

عنبر اچھی طرح جانتا تھا کہ سیٹھ دھوکے بازی سے کام لے رہا ہے۔ مگر اُسے روپوں کی ضرورت تھی۔ اُس نے آٹھ سو روپوں میں سونے کا ٹکڑا فروخت کیا۔ بوری بندر ریلوے سٹیشن پر آ کر دلّی کا فسٹ کلاس کا ایک ٹکٹ خریدا اور پلیٹ فارم پر پنجاب میل کے ڈبوں کا لگنے کا انتظار کرنے لگا۔

عنبر کو یہ بھی احساس تھا کہ وہ ایک قیدی کی حیثیت سے جیل سے بھاگا ہوا ہے؛ چنانچہ پولیس اس کی تلاش میں ہو گی۔ اور ہو سکتا ہے کہ ریلوے سٹیشن پر بھی خفیہ پولیس کے آدمی موجود ہوں۔ اس لیے وہ ایک ستون کے پیچھے بیٹھ گیا۔ وہ زیادہ چلنا پھرنا نہیں چاہتا تھا۔ پھر بھی سی آئی ڈی کے ایک سپاہی کو عنبر پر شک پڑ گیا تھا۔ کیونکہ عنبر خواہ مخواہ اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ عنبر کو دیکھ رہا تھا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

اتنے میں پنجاب میل کے ڈبے آکر پلیٹ فارم پر لگ گئے۔ اور وہاں سواریوں کا ہنگامہ اور شور مچ گیا — اس شور اور ہنگامے میں عنبر بھی گم ہوگیا — اور فسٹ کلاس کے ایک ڈبے میں آکر خاموشی سے کونے والی سیٹ پر بیٹھ گیا — اس نے بھی سی آئی ڈی کے آدمی کو پہچان لیا تھا — اس کا خیال تھا کہ وہ خفیہ سپاہی کی نظروں کو دھوکا دے چکا ہے — لیکن ایسا نہیں تھا — خفیہ پولیس کے آدمی کی تیز نظریں برابر عنبر کا تعاقب کر رہی تھیں۔ مگر چونکہ عنبر درجہ اول میں سفر کر رہا تھا — اس لیے خفیہ سپاہی اس پر ہاتھ ڈالتے ذرا ہچکچا رہا تھا — اس نے ہیڈ کوارٹر فون کر کے جیل سے بھاگے ہوئے قیدی کا حلیہ منگوایا تھا — ہیڈ کوارٹر والوں نے کہا کہ تم ٹرین کے ساتھ سفر کرو — ہم اگت پوری سٹیشن پر تمہیں قیدی کا حلیہ بتا دیں گے — اگت پوری سٹیشن پر ہمارے فون کا انتظار کرنا —

پنجاب میل کے روانہ ہونے کا وقت ہوگیا تھا — گارڈ نے آخری سیٹی دے کر سبز جھنڈی ہلانا شروع کر دی۔ مسافر بھاگ بھاگ کر ڈبوں میں سوار ہونے لگے۔ انجن نے وسل دیا اور گرج دار چھک چھک کی آواز کے ساتھ آگے کھسکنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد پنجاب میل بمبئی شہر کو پیچھے چھوڑ کر کلیان اور دادر کے لوکل سٹیشنوں سے ہوتی ہوئی اگت پوری کے سٹیشن کی طرف بھاگی جا رہی تھی —

عنبر فسٹ کلاس میں کھڑکی کے پاس بیٹھا اس روز کا تازہ اخبار پڑھ رہا تھا، جس میں جیل سے بھاگ جانے والے ایک قیدی کی خبر تھی۔ جس کا نام عنبر تھا اور جو مصری باشندہ تھا — ایک اچھی بات یہ ہوئی تھی کہ پولیس نے عنبر کی تصویر اخبار میں نہیں چھاپی تھی؛ ورنہ اس کے لیے سفر کرنا بھی مشکل ہو جاتا —

ٹرین کلیان سے کافی دور نکل چکی تھی اور چھوٹے چھوٹے سٹیشن چھوڑتی جا رہی تھی — یہاں چونکہ ڈھلان تھی۔ اس لیے ٹرین کی رفتار کافی تیز تھی —

بمبئی سے اگت پوری کا فاصلہ تین سو میل کے قریب تھا — یہاں سے چونکہ بجلی کا انجن اتر کر ٹرین کے ساتھ بھاپ کا انجن لگتا تھا، اس لیے یہاں گاڑی کافی دیر رکتی تھی — عنبر ابھی تک اس خفیہ سپاہی سے بے خبر تھا جو بمبئی سے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اور جو اس کے ساتھ والے ڈبے میں سفر کر رہا تھا — یہ خفیہ سپاہی اگت پوری کے سٹیشن پر گاڑی کے رکتے ہی اتر کر سیدھا پلیٹ فارم کے پولیس آفس میں گیا — اس کا فون آگیا — بمبئی پولیس نے اسے اطلاع دی تھی کہ اگت پوری کی پولیس کو خبردار کر دیا ہے۔ اور ایک دستہ ریزرو پولیس کا اسے ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر تیار ملے گا —

وہ فون کر کے باہر نکلا تو ریزرو پولیس کے دستے کے انچارج ہیڈ کانسٹیبل نے اس سے ہاتھ ملایا۔ وہ اُسے جانتا تھا۔ اُس نے کہا کہ مفرور قیدی کس ڈبے میں ہے؟

خفیہ پولیس کے سپاہی نے فسٹ کلاس کے کمپارٹمنٹ کی طرف اشارہ کیا۔ اس اشارے کو عنبر نے بھی بند کھڑکی کے شیشے میں سے دیکھ لیا۔ جونہی پولیس کے سپاہی کمپارٹمنٹ کی طرف بڑھے عنبر دوسری طرف سے نیچے اتر گیا۔ اور کافی آگے جا کر ایک دوسرے ڈبے میں سوار ہو گیا۔

پولیس کو ڈبہ خالی ملا تو وہ باہر آگئی اور اس نے ساری گاڑی کو گھیرے میں لے کر تلاشی شروع کر دی۔

عنبر وہاں سے نکل کر سامنے والے پلیٹ فارم پر چڑھ گیا۔ پولیس کے خفیہ جاسوس نے پلیٹ فارم پر چڑھتے عنبر کو دیکھ لیا۔ اُس نے سیٹی بجا کر پولیس کو خبردار کر دیا

ساری پولیس دوسرے پلیٹ فارم کی طرف دوڑ پڑی۔ عنبر ایک عجیب مصیبت میں پھنس گیا۔ وہ سیڑھیوں والے پُل کی طرف بھاگا پولیس نے ہوائی فائر کر دیا۔ عنبر کو ان کے فائر کی بھلا کیا پروا تھی۔ وہ دوسری طرف اتر کر دروازے سے باہر نکل گیا۔ باہر ایک کار کھڑی تھی۔ عنبر نے دروازہ کھولا، اس میں گھسا اور کار سٹارٹ کر کے بھوساول کو جانے والی سڑک پر ہو لیا۔

پولیس نے اسے دیکھ لیا تھا۔ پولیس بھی جیپ میں سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئی۔ علاقہ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں والا تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سڑک گھوم جاتی تھی۔ عنبر بہت تیز گاڑی چلا رہا تھا اور پولیس کی جیپ سے کافی آگے تھا۔ کافی آگے جا کر پہاڑی سلسلہ تقریباً ختم ہو گیا اور میدانی علاقہ آگیا۔ یہاں سڑک بالکل سیدھی جا رہی تھی۔ پولیس نے عنبر کی کار دیکھ لی اور جیپ کی رفتار تیز کر دی۔

جیپ جب عنبر کی کار کے نزدیک پہنچی تو سپاہیوں نے عنبر کی کار کے پہیوں پر فائرنگ شروع کر دی۔ عنبر ہنسنے لگا۔ وہ اب اس معرکے سے مزا لے رہا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اُس کا انجام کیا ہونا ہے۔ آخر پولیس کو ناامید ہو کر واپس جانا پڑے گا، پھر بھی وہ اس ڈرامے کو جہاں تک یہ چل سکے جاری رکھنا چاہتا تھا۔ اُس نے کار کی رفتار نوّے میل کر دی۔ کار میں کافی پٹرول تھا۔ میٹر بتا رہا تھا کہ ٹینکی میں ابھی کافی پٹرول ہے۔

جیپ اور کار کا مقابلہ شروع تھا۔ سڑک جنگل میں سے گزرنے لگی۔ دونوں طرف گھنے درخت تھے۔ پھر ایک دریا کا پُل آگیا۔ کار دریا کے پل پر سے گزر گئی۔

پولیس نے وائرلیس پر ہیڈ کوارٹر سے مدد طلب کی کہ ہیلی کاپٹر

روانہ کیا جائے — قیدی کار میں فرار ہونے میں کامیاب ہو رہا ہے
عنبر نے دریا سے دور جا کر گھوں گھوں اور گھڑ۔ گھڑ کی آواز سُنی —
اُس نے کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر دیکھا اور ایک سرخ اور
زرد رنگ کا ہیلی کاپٹر آسمان پر اُڑتا ہوا اُس کی طرف بڑھ رہا
تھا — جیپ بھی اس کے تعاقب میں برابر بڑھتی چلی جا رہی تھی
ہیلی کاپٹر اس کی گاڑی کے بالکل سر پر آ گیا — اس کے پروں کی
تیز ہوا سے کار جھکولے کھانے لگی اور ارد گرد کے درخت ہوا میں
جھومنے لگے — شاید ہیلی کاپٹر کھلے میدان کا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی
دیر تک یہ ریس جاری رہی — اب جنگل ختم ہو گیا تھا اور کھلا میدان
آ گیا تھا —

یہاں ہیلی کاپٹر نے ایک غوطہ لگایا اور عنبر کی کار کی طرف
سامنے سے بڑھا، جیسے اس کے ساتھ ٹکر لگانے کے موڈ میں ہو —
عنبر نے تیزی سے کار دوسری طرف نکال لی — ہیلی کاپٹر ایک بار پھر
غوطہ لگا کر اس کی طرف بڑھا —

عنبر نے سوچا کہ یہ کم بخت تو اب پیچھے ہی پڑ گیا ہے اور کسی
صورت اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا — اسے کچھ کرامت دکھانی چاہیے۔
عنبر نے تعویذ پر ہاتھ رکھ کر ملکہ نفریتی کو یاد کیا اور اُسے کہا کہ اس
دفعہ وہ اپنے ساتھ ٹوٹا کار بھی ہوا میں اڑانا چاہتا ہے۔ عنبر نے
اپنے کان میں جیسے ملکہ مصر کی سرگوشی سُنی :

"کار کو اوپر اٹھاؤ ۔"

عنبر نے یوں ہی جیسے ہوائی جہاز کے پائیلٹ کرتے ہیں،
کار کے سٹیرنگ کو اپنی طرف کھینچا۔ اس کے ساتھ ہی اسے
ٹائروں کے ٹرک کے ساتھ گھسنے کی آواز آنا بند ہو گئی — اس کی ٹوٹا
گاڑی کے پہیئے ٹرک کو چھوڑ چکے تھے اور ٹرک سے ایک فٹ بلند
ہو گئے تھے —

جیپ میں بیٹھے ہوئے پولیس کے سپاہیوں نے آنکھیں
بار بار ملتے ہوئے ہکا بکا ہو کر دیکھا کہ مفرور قیدی کی کار سڑک پر
سے آہستہ آہستہ ہوا میں بلند ہو رہی ہے —

اوپر ہیلی کاپٹر کے پائیلٹ کو ابھی اس کرامت کا احساس نہ
ہوا تھا — ہیلی کاپٹر میں صرف دو سپاہی مشین گنیں لیے بیٹھے تھے
جب کار درختوں سے اوپر غوطہ لگا کر ہوائی جہاز کی طرح ایک
طرف کو نکل گئی — تو وہ بھی ششدر ہو کر رہ گئے اور بار بار آنکھیں
مل کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے —

"یہ کیونکر ہو گیا !

"کیا کار بھی ہوا میں اڑ سکتی ہے ؟"

پائیلٹ کا ہاتھ بھی لرز گیا — کار اب کافی اوپر آ چکی تھی.
ہیلی کاپٹر کا پائیلٹ تو حیران تھا اور خوف زدہ بھی تھا کہ خدا
جانے کار میں کوئی بھوت بیٹھا ہے کہ جس نے جادو کے زور سے

کار کو ہوا میں اڑانا شروع کر دیا ہے — پولیس کی جیپ ایک گول دائرے میں چکر لگا کر فائرنگ کر رہی تھی — گولیاں عنبر کی کار میں آ کر لگیں —

اوپر سے ہیلی کاپٹر کے سپاہیوں نے کار پر مشین گن کی گولیاں برسانا شروع کر دیں — نیچے سے گولیاں آ رہی تھیں، اوپر سے گولیاں آ رہی تھیں — عنبر نے ایسا کیا کہ کار کو اور اوپر اٹھایا اور ہوا میں اڑاتا ہوا ہیلی کاپٹر سے بھی اوپر لے گیا۔

ہیلی کاپٹر والوں نے جب کار کو اپنے سر کے اوپر دیکھا تو پریشان ہو گئے کہ خدا جانے یہ اوپر سے ان پر کوئی بم گرائے گا — سپاہیوں نے ہیلی کاپٹر کی کھڑکی میں سے کار پر فائر کھول دیا۔

گولیاں کار کے نیچے آ کر ٹکرا رہی تھیں، مگر عنبر پر ان کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا — وہ کار کو ایک دم غوطے میں نیچے لے گیا — اور پھر اوپر لے آیا — وہ جس تیزی اور پھرتی سے کار کو اِدھر اُدھر دائیں بائیں غوطے کھلا رہا تھا، ایسا ہیلی کاپٹر والے بھی نہیں کر سکتے تھے —

کھیتوں میں جہاں جہاں سے اُڑتی کار گزرتی، کسان بُت بنے اسے دیکھتے رہ جاتے اور کانوں کو ہاتھ لگاتے کہ کل جُگ آ گیا ہے — آخر ہیلی کاپٹر کہاں تک کار کا مقابلہ کر سکتا تھا کہ جو بغیر پٹرول کے ہوا میں اڑ رہی تھی —

ہیلی کاپٹر کا پٹرول ختم ہونے لگا — پائیلٹ نے اپنے پیچھے بیٹھے ہیڈ کانسٹیبل سے کہا :

" میرا پٹرول ختم ہونے کو ہے ۔ میں واپس جا رہا ہوں "

ہیڈ کانسٹیبل نے چیخ کر کہا :

" قیدی کا پیچھا کرو "

ہیلی کاپٹر کے پائیلٹ نے پیچھے منہ کر کے کہا :

" وہ تمہارا قیدی نہیں ہے — وہ تو کوئی آسمانی دیوتا ہے وہ ہم سبھوں کو ہلاک کر سکتا ہے — خدا جانے ابھی تک اس نے ہمیں کیوں معاف کر رکھا ہے — میں واپس جا رہا ہوں "

اور ہواباز نے ایک ہتھی کو گھمایا — ہیلی کاپٹر نے گول دائرے میں ایک چکر کاٹا اور واپس بھاگ اٹھا — نیچے جیپ میں بیٹھے پولیس والوں نے جب ہیلی کاپٹر کو واپس جاتے دیکھا تو وہ بھی پیچھے کی طرف اٹھ دوڑے — وہ تو پہلے ہی سہمے ہوئے تھے اور واپس بھاگ جانا چاہتے تھے —

عنبر نے اڑتی کار میں سے دشمن کو بھاگتے دیکھا تو ہنس پڑا۔ اس نے کار کو نیچے اتارنا شروع کر دیا — نیچے ایک چھوٹی سی سڑک جا رہی تھی — اب وہ راستہ بھول گیا تھا — اسے کوئی خبر نہ تھی کہ یہ سڑک کس شہر کو جاتی ہے — اندازے سے وہ مشرق کی طرف کار کو لے کر چل نکلا — کیونکہ دلّی مشرق کی طرف ہی تھی —

یہ سڑک جس پر عنبر کار لیے جا رہا تھا، چھوٹی سی تھی اور بڑی شاہراہ اُسے کسی صورت میں بھی نہیں کہا جا سکتا تھا — عنبر نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس پر میل کا نشان کہیں نہیں آ رہا تھا —

لال قلعے کی رات

سڑک ایک جنگل میں داخل ہو گئی —

یہاں کار آگے نہیں جا سکتی تھی — عنبر نے کار کھڑی کی اور باہر نکل آیا — اُس کے چاروں طرف گھنا سنسان جنگل تھا۔ جس کے اندر دھوپ نہیں آ رہی تھی — کار کو اُس نے وہیں چھوڑا اور سڑک پر چلنے لگا — جوں جوں وہ آگے جا رہا تھا، سڑک چھوٹی ہو رہی تھی۔ آخر وہ پگ ڈنڈی سی بن گئی —

عنبر گھنے جنگل میں تنہا رہ گیا — درختوں کی گھنی شاخیں اُس پر جھکی ہوئی تھیں۔ زمین پر لمبی لمبی گھاس اُگی تھی۔ کوئی پرندہ تک نہیں بول رہا تھا — ایک عجیب دہشت سی چاروں طرف چھائی ہوئی تھی۔ گرمی اور حبس تھا۔ گھنے درختوں کی وجہ سے وہاں ہلکا ہلکا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

عنبر پگ ڈنڈی پر چلتا رہا — آگے ایک چھوٹا سا تالاب آ گیا جس پر سبز رنگ گرے پتے تیر رہے تھے۔ ایک جنگلی سؤر اُس کے قریب سے ہو کر خُرخُر تھُو تھُو کرتا بھاگ نکلا — عنبر حیران

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

تھا کہ جنگل میں اس قدر سناٹا کیوں ہے —

بہت جلد اُسے اس سوال کا جواب مل گیا — اچانک جنگل شیر کی خوف ناک دھاڑ سے گونج اٹھا — درختوں پر سہمے بیٹھے پرندے شور مچاتے پھڑپھڑاتے اڑ گئے — شیر آدم خور تھا — اُس نے عنبر کی بُو سونگھ لی تھی اور تالاب کے دوسری جانب سے اُس کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا —

عنبر پگ ڈنڈی پر چلتے چلتے رُک گیا۔ اُس نے دیکھا — کہ درختوں کے درمیان دُور ایک گھاس پھونس کا جھونپڑا بنا ہوا تھا۔ وہ اس جھونپڑے کی طرف بڑھا — ابھی چند قدم ہی گیا ہو گا کہ سامنے املی کے ایک درخت کے پیچھے سے اچانک ایک دھاری دار خوف ناک آنکھوں والا شیر نکل کر اس کے سامنے آ کر زور زور سے دھاڑنے اور غصّے سے دم ہلانے لگا۔

شیر کا سر بھاری اور دانت بڑے نوکیلے تھے — عنبر نے اس قسم کا بھیانک خونخوار شیر آج سے کئی سو سال پہلے افریقہ کے ایک جنگل میں دیکھا تھا — عنبر نے اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی — وہ شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا۔ شیر اپنی جگہ پر کھڑا سخت غضب کے عالم میں دھاڑ رہا تھا۔ سارا جنگل اس کی خوف ناک گرج سے تھر تھرا رہا تھا۔

عنبر آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا۔ شیر ذرا پیچھے ہٹا۔ درخت

سے ایک چکر کاٹا اور اچھل کر سامنے آ گیا اور پہلے سے بھی زیادہ جوش سے دھاڑنا شروع کر دیا — عنبر برابر اس کی طرف بڑھ رہا تھا — اُس نے آنکھیں شیر کی آنکھوں میں ڈال رکھی تھیں۔ شیر حیران ہو رہا تھا کہ یہ کس قسم کا انسان ہے کہ اس سے ڈر کر بھاگنے کی بجائے اس کی طرف بڑی جرأت کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔

لیکن شیر آخر شیر تھا — وہ شکست کے نام ہی سے ناواقف تھا اور پھر آدم خور تھا جسے انسان کے خون کی چاٹ پڑ گئی تھی۔ وہ آخری بار دھاڑ کر اپنی جگہ سے اُچھلا اور پچاس فٹ کی زبردست چھلانگ لگا کر عنبر کے اوپر آن گرا — عنبر شیر کے ساتھ ہی گھاس پر گرا اور دو تین لڑھکنیاں کھانے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔ شیر گرجنے لگا۔ وہ ایک بار پھر عنبر پر اچھلا — اس بار عنبر نے دونوں بازو پھیلا کر شیر کو اپنے اوپر لے لیا اور دونوں بازوؤں سے شیر کی گردن کو دبانا شروع کر دیا — شیر نے پوری طاقت سے عنبر کے سر پر پنجہ مارا — عنبر کی جگہ اگر کوئی دوسرا انسان ہوتا تو اس پنجے سے اس کی کھوپڑی اُڑ کر سامنے والے درخت سے جا ٹکراتی۔ مگر عنبر کا جسم تو لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ مضبوط تھا۔

شیر کا پنجہ عنبر کے سر سے ٹکرا کر زخمی ہو گیا — عنبر نے ایک ہاتھ سے شیر کے اوپر والے جبڑے کو دبوچا اور دوسرا ہاتھ اس کے نچلے جبڑے میں ڈال کر ایک ایسا جھٹکا دیا کہ شیر کے منہ

سے ایک درد انگیز چیخ نکل گئی — یہ شیر کی آخری چیخ تھی۔ کیونکہ شیر کا منہ چر گیا تھا — اور نچلا جبڑا لٹک کر اس کی گردن میں پڑا تھا — عنبر نے نیچے سے اُٹھ کر ایک بھرپور ہاتھ شیر کی کمر پر مارا۔ اس زوردار ضرب سے شیر کی کمر کی ہڈی کے کئی ٹکڑے ہو گئے اور وہ بے جان ہو کر زمین پر پڑ گیا —

شیر کچھ دیر ہانپتا رہا اور پھر مردہ ہو کر ٹھنڈا ہو گیا۔

عنبر نے اُٹھ کر اپنی جیکٹ کو درست کیا — اس کے بٹن بند کیے — بالوں میں انگلیاں پھیریں اور جھونپڑی کی طرف چل پڑا جو اسے دُور سے دکھائی دی تھی — اس جھونپڑی میں جنگلی لوگ رہتے تھے، جنہوں نے عنبر کو شیر سے مقابلہ کر کے اُسے ہلاک کرتے دیکھ لیا تھا —

جوں ہی عنبر ان کے جھونپڑے کے سامنے پہنچا وہ سارے کے سارے عنبر کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے — وہ عنبر کو کوئی دیوتا سمجھنے لگے تھے۔ انھوں نے عنبر کو اپنی سب سے اعلیٰ گائے کا دودھ پلایا — آدم خور کو ہلاک کرنے پر عنبر کا شکریہ ادا کیا اس کے پاؤں کو گنگا کے پوتر پانی سے دھویا —

عنبر نے جب ان کی جنگلی زبان میں ان سے بات کی تو وہ اور زیادہ اُس کے گرویدہ ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ شخص انسان نہیں ہے بلکہ آسمان سے کوئی دیوتا اُن کی مدد کو

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

آیا ہے۔

عنبر نے پوچھا تھا کہ وہ کون سا علاقہ ہے؟ اور دلی شہر کس طرف ہے؟

جنگلی آدمیوں نے عنبر کی گاڑی کو اپنے کندھوں پر اُٹھا کر سارا جنگل عبور کیا اور اسے جنگل سے نکل کر ایک ایسی سڑک پر ڈال دیا جو بھوپال شہر کی طرف جاتی تھی —

عنبر نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کار میں سوار ہو کر اُسے سٹارٹ کیا — کار کو اگرچہ نیچے گولیاں لگی تھیں مگر اس کے ٹائر اور پٹرول کی ٹینکی سلامت تھی — کار کی ٹینکی میں پٹرول بھی موجود تھا —

عنبر کار کو لے کر سڑک پر روانہ ہو گیا —

اس سڑک پر شام تک عنبر کا سفر جاری رہا — شام کو وہ کانپور کے شہر میں آ گیا — یہاں اُس نے رات ایک ہوٹل میں بسر کی — کار کی ضروری مرمت کروائی — اس کی ٹینکی پٹرول سے بھروائی اور صبح صبح بھوپال کی طرف چل پڑا۔ تقریباً شام ہی کے وقت وہ بھوپال کے شہر میں آ گیا۔ یہاں اس نے ایک ہوٹل میں قیام کیا، غسل کیا، کپڑے دھلائے، شیو بنائی اور دوسرے روز گوالیار کی طرف بڑی شاہراہ پر چل پڑا۔ رات کے دس بجے وہ گوالیار پہنچ گیا —

یہاں اس نے دو گھنٹے آرام کیا اور رات بارہ بجے دلّی کی طرف روانہ ہو گیا — اگرچہ راستہ خطرناک تھا اور سڑک کتی جگہوں پر سنسان تھی۔ مگر عنبر نے کوئی پروا نہ کی اور برابر آگے بڑھتا چلا گیا — وہ جلدی سے جلدی دلّی پہنچنا چاہتا تھا — کیونکہ اس نے راستے میں ملکہ مصر کی سرگوشی سن لی تھی۔ وہ اُسے دلّی کی طرف جانے کی ہدایت کر رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کا وقت قریب آگیا تھا کہ جب وہ پرانے زمانے میں داخل ہو جائے گا۔ اس کی کار آگرہ شہر سے بھی گزر گئی، پھر صبح ہو گئی اور متھرا شہر آگیا —

دن کافی نکل آیا تھا — وہ دلّی کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ فرید آباد کے بعد حضرت نظام الدین کا ریلوے سٹیشن بھی سڑک کی ایک جانب سے گزر گیا — اب عنبر کی کار نئی دلّی کو جانے والی بڑی سڑک پر جا رہی تھی —

نئی دلّی کی اونچی اونچی جدید عمارتیں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ عنبر کو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ ان عمارتوں کو آخری بار دیکھ رہا ہے، جیسے اب جدید سائنس اور ترقی کی یہ چیزیں، یہ ریلوے سگنل، یہ ریلوے سٹیشن، یہ ٹیلی فون کے کھمبے اور بجلی کے مرکری بلب اُسے اب کبھی دیکھنے کو نہ ملیں گے۔ وہ سو سال پیچھے جانے ہی والا تھا —

عنبر اپنی طبیعت میں کچھ بے چینی محسوس کرنے لگا تھا —

گاڑی لے کر وہ سیدھا عائشہ کے گھر پہنچا — اس کے پاس جتنے روپے تھے وہ سارے عائشہ کے گھر والوں میں تقسیم کر دیے — اور ان سے آخری بار اجازت لے کر اپنی چیزیں سمیٹ وہاں سے باہر نکل آیا —

گاڑی میں بیٹھ کر وہ ایک چوک میں سے گزر کر مقبرہ ہمایوں کی طرف جا رہا تھا کہ پولیس نے اُسے گرفتار کر لیا — اس کی مفرور قیدی کی حیثیت سے تصویریں دلّی پولیس کو پہنچ چکی تھیں۔ پولیس اُسے تھانے میں لے گئی — عنبر سے کیسٹ پلیئر اور پستول لینے کی کوشش کی گئی تو اس نے پستول تان لیا اور کہا:

"اگر کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو میں گولی چلا دوں گا۔"

سب سپاہی پیچھے ہٹ گئے — عنبر نے کیسٹ پلیئر ہاتھ میں لیا اور تھانے سے باہر نکل آیا — وہ ایک طرف منہ کر کے بارونق، اونچی اونچی عمارتوں والی سڑک پر دوڑنے لگا — دوڑتے دوڑتے اس کے سر میں چکر سا آیا اور وہ سڑک پر گر پڑا۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ تارکول کی سڑک نہیں بلکہ ایک کچے راستے پر پڑا ہے — اس نے آنکھیں کھول کر ارد گرد دیکھا — زمانہ سو سال پیچھے جا چکا تھا — وہاں نہ کوئی اونچی عمارت تھی اور نہ بجلی کے کھمبے اور کاریں — اس کے سامنے دور

دلی کا قلعہ تھا — کچھ گھوڑ سوار تلواریں لہراتے بڑی تیزی سے گرد اڑاتے اس کے قریب سے گزر گئے — عنبر جھاڑیوں میں پڑا تھا — وہ مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے عہد میں پہنچ گیا تھا — ملکہ مصر کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی تھی — کیسٹ پلیئر اس کے پاس ہی تھا — قمیص کے اندر پستول اور گولیاں بھی تھیں۔

عنبر اٹھا اور قلعے کی طرف چلنے لگا۔ شہر کی فصیل کے دوسری طرف انگریزوں کی فوج توپیں چلا رہی تھی اور مجاہدین آزادی فصیل کے اوپر سے گولے پھینک رہے تھے۔

یہ غدر ۱۸۵۷ء کا زمانہ تھا — عنبر کا واپسی کا سفر شروع ہو چکا تھا — وہ ۱۹۸۰ء کی سائنسی دُنیا چھوڑ کر سو سال پیچھے کی دنیا میں داخل ہو گیا تھا — گویا وہ پانچ ہزار سال پیچھے جانے کے لیے اپنی پہلی سیڑھی اُتر چکا تھا۔ وہ تھوڑی دور ہی گیا ہو گا کہ اچانک پیچھے سے تین چار آدمیوں نے جو ہندوستانی تھے، اُسے پکڑ لیا۔ عنبر نے چونکہ انگریزی لباس یعنی پتلون قمیص پہن رکھی تھی۔ اس لیے اُسے انگریزوں کا جاسوس سمجھ کر پکڑ لیا گیا تھا — یہ لوگ اُسے لے کر قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔

عنبر کے پاس بریف کیس بھی تھا جس میں بارہ بور کا جرمن پستول تھا۔ گولیوں کا ڈبہ تھا، ایک ریکارڈر کیسٹ پلیئر تھا۔ درجن بھر جاپانی بھرے ہوئے کیسٹ تھے — ایک پتھر کا سگریٹ لائیٹر تھا جو پٹرول

سے جلتا تھا — ایک ماچس تھی — کیلکولیٹر کم بخت تھانے میں ہی رہ گیا تھا — سونے کی ڈلی تھی — ایک پتلون تھی —

یہ ہندوستانی ہندو تھے جو عنبر کو لیے جا رہے تھے۔ ان کا کام صرف لوٹ مار کرنا ہی تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ قلعے کے قریب لے جا کر عنبر کو مار ڈالیں اور اس کا سامان لوٹ لیں۔

عنبر خاموشی سے بریف کیس اُٹھائے اُن کے ساتھ چلا جا رہا تھا — یہ ہندو دھوتیاں کرتے پہنے ہوئے تھے۔ سروں پر سو سال پہلے کے زمانے کی پگڑیاں تھیں۔ ہاتھوں میں تلواریں پکڑ رکھی تھیں۔ اور ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

وہ آپس میں پُرانے زمانے کی ٹھیٹھ ہندی زبان میں باتیں کر رہے تھے —

ایک ہندو نے کہا:

"ارے کلوا اس کمپنی بہادر کے لونڈے کو یہیں دبوچ لورے۔"

کلوا بولا:

"تو پھر دیر کاہے کو کرے رے، پکڑ لیو سالے کو۔"

اور انہوں نے عنبر کو روک لیا — اور اس کے ہاتھ سے بریف کیس چھین کر اُسے کھول کر دیکھا — وہ کیسٹ اور کیسٹ پلیئر وغیرہ کو حیرانی سے تکنے لگے۔

"یہ کاہے رے؟"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

ان کی سمجھ میں آنے والی یہ چیزیں نہیں تھیں ۔ پھر انہوں نے پستول اور سونے کی ڈلی دیکھی تو بولے :

"ارے یہ تو سونا ہے رے ۔ یہ طمنچہ کیسا ہے رے کلوا ؟"

ابھی وہ یہ چیزیں دیکھ ہی رہے تھے کہ عنبر نے کیسٹ پلیئر کا بٹن دبا دیا ۔ اس وقت اتفاق سے کیسٹ پلیئر پر وہ ٹیپ چڑھا تھا جس میں بموں کے دھماکے اور بجلی کے کڑاکے ریکارڈ کیے ہوئے تھے ۔ بٹن کے دباتے ہی کیسٹ پلیئر کے لاؤڈ سپیکر میں سے ۱۹۸۰ء کے زمانے کے خطرناک بموں کے دھماکوں کی کان پھاڑ دینے والی آوازیں بلند ہوئیں ۔ عنبر نے اس کی آواز فل کر دی ۔ چاروں ہندو لیٹرے اچھل کر ایک دم سے پرے ہٹ گئے ۔ وہ سمجھے کہ ان پر انگریزی توپوں نے گولے برسانے شروع کر دیے ہیں۔ اُن کو ایک دوسرے کا ہوش نہ رہا ۔ وہ تلواریں پھینک کر ایسے بھاگے کہ مُڑ کر بھی نہ دیکھا ۔

عنبر نے اس وقت تک ٹیپ بند نہ کی جب تک کہ ہندو لیٹرے دور قلعے کی کھائی کے پار اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو گئے ۔ یہ عنبر کا پہلا سائنس کے زمانے کا مظاہرہ تھا جو بڑا کامیاب ثابت ہوا ۔

عنبر نے جب دیکھا کہ غدر کے ہندو لیٹرے غائب ہو چکے ہیں تو اس نے ساری چیزیں اٹھا کر بریف کیس میں رکھیں ۔ ریکارڈ پلیئر کا بٹن دبا کر اُسے بند کر دیا ۔ اور چلنے سے پہلے سوچنے لگا کہ اسے اپنا

لباس تبدیل کر دینا چاہیے ۔ کیونکہ اس زمانے کی انگریزی فوج بھی پتلون پہنتی تھی اور عنبر نے بھی تنگ پائنچوں کی پتلون اور بش شرٹ پہن رکھی تھی ۔ اُسے قلعے کے اندر انگریزوں کا جاسوس سمجھ کر پکڑ لیا جائے گا ۔

پھر اس نے سوچا کہ اگر اسے پکڑ بھی لیں گے تو اس کا کیا بگاڑ لیں گے ۔ ویسے بھی اس کے پاس غدر کے زمانے کا مغل لباس نہیں تھا ۔

وہ بریف کیس اٹھا کر آگے روانہ ہوا ۔

قلعے کی دوسری طرف سے برابر توپوں کے دھماکوں کی آوازیں آ رہی تھیں ۔ انگریزی فوج نے قلعے پر حملہ کر رکھا تھا ۔ عنبر نے تاریخ میں پڑھا بھی تھا اور اپنے پہلے سفر میں دیکھا بھی تھا کہ انگریزوں نے آخر جا کر قلعے پر قبضہ کر لیا تھا اور شہزادوں کو قتل کر دیا گیا تھا اور بہادر شاہ ظفر کو رنگون جلا وطن کر دیا گیا تھا ۔ عنبر اس انجام کو بدل نہیں سکتا تھا کیونکہ یہ تاریخ کا فیصلہ تھا اور اس انجام کے حساب سے ہندوستان اور پاکستان کی تاریخ آگے بڑھی تھی ۔ اگر وہ بادشاہ کے ساتھ مل کر انگریزی فوج کا مقابلہ بھی کرے اور ان کی توپوں کو تباہ بھی کر دے ، جب بھی وہ تاریخ کا فیصلہ نہیں بدل سکتا تھا ۔ کیونکہ اگر انگریزوں کو شکست ہو گئی ۔ بہادر شاہ ظفر بادشاہ بن کر دوبارا تخت پر بیٹھ گیا تو تاریخ کے آنے والے واقعات

سارے کے سارے الٹ پلٹ ہو جانے کا خطرہ تھا۔ اس لیے عنبر نے سوچا کہ وہ ضرورت سے زیادہ اس جنگ میں دخل نہیں دے گا۔ کیونکہ بہادر شاہ ظفر کی قسمت میں تقدیر نے شکست لکھ دی ہے اور وہ تقدیر کے فیصلے کو ہرگز ہرگز نہیں بدل سکتا۔

اس خیال کو اپنے ذہن میں اچھی طرح بٹھا کر عنبر قلعے کی کھائی کے قریب آکر رک گیا۔ وہ کسی طرح قلعے کے اندر جانا چاہتا تھا۔ کھائی کے پار لال قلعے کی دیوار تھی۔ اس وقت قلعے کی دیوار کی حالت بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ بڑی پکی دیوار تھی اور کھائی بھی پانی سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے دلی شہر کی جانب نگاہ کی جو اس کے پیچھے تھا۔ شہر بڑا پرانا تھا اور پرانی عمارتوں کی چھتیں دور سے صاف نظر آ رہی تھیں۔ شہر میں ایک دو جگہوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

انگریزی فوج شہر کی فصیل کو توڑ کر قلعے کی دیوار کے پاس پہنچ چکی تھی اور اب اپنی پرانی طرز کی توپوں سے لوہے کے گولے برسا برسا کر اس دیوار کو بھی توڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ گویا جب عنبر غدر کے زمانے میں آیا تو یہ اس کا آخری وقت تھا اور ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا چراغ آخری دموں پر تھا اور بجھنے ہی والا تھا۔

عنبر نے دیکھا، کہ اس کے آس پاس دور دور تک کوئی انسان نہیں ہے۔ پھر اس نے ملکہ نفرتیتی کے تعویذ پر ہاتھ رکھا۔ ذرا سا اوپر کو اچھلا اور ہوا میں اوپر اٹھ آیا۔

اب اس نے ہوا میں اڑنا شروع کر دیا اور اڑتے اڑتے قلعے کی کھائی کو عبور کر لیا۔ کھائی کی دوسری جانب اونچی اونچی گھاس اگی تھی۔ جنگلی کانٹے دار جھاڑیاں تھیں۔ قلعے کی دیوار اوپر تک اٹھتی چلی گئی تھی۔

کچھ روز پہلے جب وہ ماڈرن دلی میں آیا تھا تو اس نے اسی دیوار کو بڑی خستہ حالت میں دیکھا تھا۔ لیکن اب یہ دیوار بڑی پکی اور عمدہ حالت میں تھی۔ کہیں سے بھی کوئی اینٹ پتھر اکھڑا ہوا نہیں تھا۔

عنبر دیوار کے پاس ایک جگہ پہنچ کر رک گیا۔ اس کا ارادہ یہاں سے قلعے کی دیوار پار کرنے کا تھا۔ دوسری طرف کیا ہوگا؟ یہ اسے معلوم نہ تھا۔ بہرحال یہ خطرہ اسے مول لینا ہی تھا۔ چاہے دوسری طرف وہ آگ میں ہی کیوں نہ گر پڑے۔ اسے کسی نہ کسی جگہ سے قلعے کی دیوار کو پار کرنا ہی تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ عنبر، یہاں سے دیوار پھلانگ جاؤ۔

بس عنبر نے تعویذ پر ہاتھ رکھ کر زمین سے آہستہ آہستہ اوپر اٹھنا شروع کر دیا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ ایک لفٹ کی طرح اوپر جا رہا تھا۔ قلعے کی دیوار کے اوپر جا کر وہ دو بڑی بڑی

پتھر کی بُرجیوں کے درمیان رک گیا — اس نے دوسری طرف دیکھا۔ اس کے سامنے دیوار کے نیچے ایک خوش نما باغ تھا، مگر گھاس کے تختوں اور پھل دار درختوں پر ویرانی چھائی ہوئی تھی — آموں کے جھنڈ اُوپر کے تختوں پر بھی تھے — ان کے پیچھے بادشاہ کا بہت بڑا محل تھا — انگریزی توپوں اور مجاہدین کی توپوں کی آواز یہاں بھی سنائی دے رہی تھی — سنگِ مرمر کی شاندار روشوں اور شاہی محلات کے برآمدوں میں کچھ کنیزیں اور شہزادے عنبر نے افراتفری کے عالم میں اِدھر اُدھر بھاگتے دیکھے —

عنبر قلعے کی دیوار سے نیچے اُتر آیا — وہ آموں کے جھنڈ کی طرف چلنے لگا — یہاں اس نے سفید سنگِ مرمر کی بنی ہوئی مسجد دیکھی جسے موتی مسجد کہتے تھے — اس مسجد میں کچھ مغل درباری خدا کے حضور سجدہ کیے گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے تھے۔ عنبر اس روش پر آگیا جو سیدھی محل کے پہلے برآمدے کی سیڑھیوں کو جاتی تھی۔ یہاں ایک کنیز نے عنبر کو دیکھ لیا اور اچانک "فرنگی آگیا، فرنگی آگیا" چیختی ہوئی بھاگ گئی۔

عنبر جانتا تھا کہ اس کی انگریزی پتلون سے ہر کوئی اُسے فرنگی یعنی انگریز یا انگریزوں کا جاسوس ہی سمجھے گا۔ وہ محل کے برآمدے میں آگیا —

یہاں کچھ درباری ادھر ادھر پریشان کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اُن کے لباس مغل تھے، جیسے کہ آپ نے مغل زمانے کی کہانیوں والی فلموں میں دیکھے ہوں گے —

وہ عنبر کو دیکھتے ہی رہ گئے — پھر سب ایک جگہ جمع ہوئے اور عنبر کی طرف بڑھے — اتنے میں ایک شہزادہ بھی وہاں آگیا۔ اُس نے سرخ شلوکا اور چوڑی دار پاجامہ پہن رکھا تھا — سلیم شاہی جُوتی پر ہیرے موتی لگے تھے — سر پر ایک مور کے پنکھ والی پگڑی تھی۔ ان لوگوں نے تلواریں نکال کر عنبر کو گھیرے میں لے لیا۔

شہزادے نے کڑک کر پوچھا:

"کیا تمہیں فرنگیوں نے بھیجا ہے؟"

ایک درباری نے کہا:

"شہزادہ عالم، یہ فرنگی جاسوس ہے — اس کی گردن اُڑا دی جائے۔"

دوسرے درباری نے کہا:

"اسے پکڑ کر بادشاہ حضور کے پاس لے جایا جائے۔"

ایک اور درباری تلوار لہرا کر آگے بڑھا اور بولا:

"شہزادہ عالم، اجازت دیجیے کہ میں اس فرنگی غلام کی گردن اُڑا دوں۔"

شہزادے نے تلوار والا ہاتھ اوپر اٹھا کر کہا:

"ٹھہریں، شاید یہ انگریزوں کی طرف سے صلح کا پیغام لے کر

PAKISTAN URDU LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

آیا ہے۔"

پھر شہزادے نے عنبر کی طرف تلوار کی نوک کا اشارہ کر کے کہا:

"بولو، انگریزوں نے تمہیں ہمارے پاس صلح کا پیام دے کر بھیجا ہے؟"

عنبر اب تک خاموش تھا اور ان سب کی باتیں خاموشی سے سُن رہا تھا— جب شہزادے نے انگریزوں کے صلح کرنے کی بات کی تو وہ دل میں ہنس دیا کہ یہ آرام پسند بزدل شہزادے شاہی محل میں چوڑی دار پاجامے پہن کر کیا سوچ رہے ہیں۔ اُس نے کہا:

"اے شہزادے، انگریزی فوج نے تو آپ کے سارے دلّی شہر پر قبضہ کر لیا ہے اور اب محل کی دیوار بھی ٹوٹنے والی ہے۔ پھر بھلا وہ آپ سے صُلح کی بات کیوں کرنے لگے۔"

مغل شہزادہ عنبر کے اس بے باکانہ جواب پر چونک پڑا —— درباریوں میں بھی غصّے کی لہر دوڑ گئی۔

شہزادے نے کہا:

"پھر تم ان کے جاسوس ہو— تم جاسوسی کرنے آئے ہو، شاہی محل میں—"

عنبر نے غدر کی ساری تاریخ پڑھی ہوئی تھی — اس نے مسکرا کر کہا:

"جاسوس تو آپ کے شاہی محل کے اندر موجود ہیں۔ آپ کے اپنے مسلمان بھائی اور رشتے دار انگریزوں کے باقاعدہ تنخواہ دار جاسوس ہیں۔ پھر مجھے جاسوسی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

اس جواب پر ایک سیکنڈ کے لیے سب پر موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ سب جانتے تھے کہ محل کے اندر کیا کیا سازشیں ہو رہی ہیں، بلکہ اُن میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ان سازشوں کا حصہ تھے— ایسے دو آدمی غصہ کھا کر تلواریں کھینچ کر عنبر پر حملہ کرنے بڑھے— بارہ بور کا شاندار اور انتہائی ماڈرن ریوالور عنبر کی جیب میں تھا— جونہی دو مغل درباریوں نے عنبر پر تلوار اٹھائی، عنبر نے جیب سے ریوالور نکال کر فائر کر دیا۔

گولی ایک حملہ کرنے والے کی تلوار کے دستے کے قریب لگی اور تلوار دو ٹکڑے ہو کر نیچے گر پڑی— ریوالور کے دھماکے اور تلوار کے ٹوٹنے سے وہ لوگ پیچھے ہٹ گئے— اس زمانے میں بڑے بھدے اور لمبے طمنچے ہوا کرتے تھے۔ یہ طمنچے بارود اور سکّہ بھر کر فائر کیے جاتے اور جب چلتے تھے تو اس کی موٹی نالی میں سے بے پناہ دھواں نکلتا تھا— مگر جو چھوٹا سا ریوالور عنبر کے ہاتھ میں تھا، اُس میں سے نہ دُھواں نکلا تھا نہ شعلہ نکلا تھا۔ ایک ایسی گولی نکلی تھی کہ جس نے بجلی کی چمک بن کر تلوار کے دو ٹکڑے کر

دیے تھے۔ شہزادے نے کہا :

" تمہاری اردو بھی ہم سے کافی مختلف ہے ۔ تمہارا طمنچہ بھی ہمارے ہتھیاروں سے بہت اچھا ہے ۔ تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو ؟"

عنبر نے ریوالور کو ہاتھ میں گھماتے ہوئے کہا :

" شہزادے، ابھی میرے پاس بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو تم لوگوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوں گی ۔"

" تم کون ہو ؟" ایک مغل درباری نے بلند آواز سے پوچھا۔

عنبر نے ریوالور کا رُخ اس درباری کی طرف کر کے کہا :

" زیادہ چیخنے کی کوشش نہ کرو، نہیں تو میرے ریوالور کی ایک ہی گولی تمہاری آخری چیخ نکال کر خاموش کر دے گی ۔"

شہزادے نے کہا :

" تم جو کوئی بھی ہو، ہمارے ساتھ آؤ۔ ہم تمہیں بادشاہ سلامت کے پاس لیے چلتے ہیں۔ وہ تم سے مل کر خوش ہوں گے ۔"

عنبر نے سوچا کہ بادشاہ سلامت سے ضرور ملنا چاہیے ۔ اگرچہ وہ بادشاہ کو اور اُس کی سلطنت کو تباہی سے نہیں بچا سکتا، کیونکہ وہ تاریخ کے فیصلے، بلکہ جو ہو چکا ہے، اُسے تبدیل نہیں کر سکتا۔ پھر بھی اور کچھ نہیں تو کم از کم چھوٹے موٹے خون خرابے سے تو شاہی خاندان کو محفوظ کر دے گا ۔

وہ شہزادے اور درباریوں کے ساتھ شاہی غلام گردش میں سے ہو کر بادشاہ کی خواب گاہ کی طرف چلا ۔

لیکن شہزادے اور درباریوں کے دل میں کھوٹ تھا ۔ وہ اُسے اِدھر اُدھر محل کی غلام گردشوں میں گھما کر ایک زینے سے نیچے لے گئے ۔ یہاں اُسے ایک کوٹھڑی کے کھلے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا :

" بادشاہ سلامت جنگ کی وجہ سے نیچے تہہ خانے میں ہیں. تم اندر چلو ۔"

عنبر اندر چلا گیا ۔ اس کے اندر جاتے ہی پیچھے لوہے اور پتھروں کا بنا ہوا بھاری دروازہ نیچے گر پڑا ۔ عنبر اندھیری کوٹھڑی میں بند ہو گیا تھا ۔ اندھیرا اتنا تھا کہ عنبر کو اپنا ہاتھ تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ بریف کیس اس کے پاس ہی تھا۔ اُس نے اُس میں سے سگریٹ لائیٹر نکال کر جلایا ۔ لائیٹر کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹی سی تنگ پتھریلی کوٹھڑی میں بند ہے جس کا نہ کوئی روشندان ہے نہ کھڑکی ۔ ایک ہی دروازہ تھا جو پتھر کی دیوار بن کر دیوار کے ساتھ دیوار ہو گیا تھا۔

عنبر نے لائٹر بجھا دیا ۔ وہ پٹرول ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا، کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ ایک بار سگریٹ لائٹر کا پٹرول ختم ہو گیا تو

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

پھر اس میں ڈالنے کے لیے پٹرول کہیں سے نہ مل سکے گا۔ اس لیے کہ ۱۸۵۷ء میں تو پٹرول ابھی دریافت ہی نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس نے پیتر کا سگریٹ لائٹر اس لیے لیا تھا کہ شاید وہ اس میں کسی دوسری قسم کا تیل ڈال کر روشن کر سکے — سگریٹ لائٹر کے بجھنے سے کوٹھڑی میں دوبارا گھپ اندھیرا چھا گیا —

انگریز جاسوس

محل میں شور مچ گیا کہ انگریزوں کا ایک جاسوس پکڑا گیا ہے۔ وہاں پہلے ہی افراتفری مچی تھی — شاہی محل کے اندر بھی حکیم احسن اللہ انگریزوں کے جاسوس تھے اور انگریزوں کو مجبور کر رہے تھے کہ وہ محل چھوڑ کر ہمایوں کے مقبرے چلے جائیں —

انگریز چاہتے تھے کہ بادشاہ جونہی محل چھوڑ کر مقبرے میں جائیں، انہیں اور شہزادوں کو گرفتار کر لیا جائے — بہادر شاہ ظفر بوڑھا ہو چکا تھا — اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا —

حکیم احسن اللہ کو جب خبر ہوئی کہ محل میں انگریزوں کا جاسوس پکڑا گیا ہے تو وہ بڑا حیران ہوا کہ اس کے ہوتے ہوئے انگریزوں نے ایک اور جاسوس کیوں بھیج دیا — اس نے شہزادے سے کہا کہ وہ اُسے جاسوس کے پاس لے چلے —

شہزادے نے کہا:

"اُس کے پاس ایک ایسا طمنچہ ہے کہ جب چلتا ہے تو نہ دھواں نکلتا ہے اور نہ زیادہ دھماکا ہوتا ہے۔ اس کی کوئی تلوار

www.urdubooksfree.pk

کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے ۔"

حکیم نے حیرانی سے پوچھا :

" ایسا طمنچہ اُسے کہاں سے مل گیا ۔ کمپنی بہادر نے کوئی نئی شے ایجاد کر لی ہے کیا ؟"

یہ شہزادہ بھی حکیم احسن اللہ سے ملا ہوا تھا ۔ دونوں نے یہ طے کیا کہ اس جاسوس کی خبر بادشاہ کو نہ ہونے دیں گے اور انگریز کمانڈر کرنل ہڈسن کو آدمی بھیج کر پوچھا جائے کہ کیا انہوں نے کوئی جاسوس بھیجا ہے ؟ شام کو خبر ملی کہ انگریزوں نے کسی جاسوس کو نہیں بھیجا ۔

حکیم احسن اللہ نے شہزادے سے کہا :

" میں نہ کہتا تھا کہ انگریز ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتا ۔"

شہزادے نے کہا :

" تو پھر یہ نوجوان کون ہے ؟"

" چل کر دیکھنا چاہیے ۔"

ان باتوں میں ہی شام ہو گئی ۔ انگریزی فوج کی گولہ باری سست پڑ چکی تھی ۔ پیچھے سے گولا بارود آ رہا تھا ۔ قلعے کے اوپر مورچوں میں بیٹھے مجاہدین نے بھی ہاتھ روک لیا ۔ انگریز کمانڈر نے فیصلہ کیا کہ آدھی رات کو قلعے کے اوپر چڑھ کر حملہ کرنے کی کوشش کی جائے گی ۔

اُدھر عنبر کوٹھڑی کے اندھیرے میں بیٹھے بیٹھے تنگ آ گیا ۔ اُس نے سوچا ، یہاں سے باہر نکلنے کی تدبیر کرنی چاہیے ۔ وہ کوٹھڑی کے پتھر کے دروازے کے پاس آیا ۔ اس نے دیوار کو ہاتھ لگا کر دیکھا ۔ دیوار فولاد کی طرح سخت تھی ۔ عنبر کے لیے یہ دیوار اتنی مضبوط نہیں تھی کہ وہ اُسے توڑ نہ سکتا ۔ عنبر کے پاس بہت طاقت تھی ۔ قدرت نے اُسے اتنی طاقت دے رکھی تھی کہ وہ بڑے سے بڑے درخت اور چٹان کو جڑ سے اکھاڑ سکتا تھا ۔ لیکن اس وقت اُسے اپنا دوست اور بھائی ناگ بہت یاد آیا ۔ عنبر نے سوچا کہ دیکھنا چاہیے یہاں کوئی آدمی اس کے پیچھے آتا ہے کہ نہیں ۔

وہ کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا ۔ آخر اُسے کوٹھڑی کے باہر تہ خانے کے پتھریلے فرش پر قدموں کی چاپ سنائی دی ۔ وہ چوکنا ہو گیا ۔

اتنے میں پتھر کا دروازہ اپنے آپ پرے ہٹ گیا اور اُس کے سامنے حکیم احسن اللہ اور شہزادہ عالم کھڑے تھے اور بڑے غور سے عنبر کو دیکھ رہے تھے ۔

" تم کون ہو ؟ اور کہاں سے آئے ہو ؟" حکیم احسن اللہ نے پوچھا ۔

عنبر نے کہا :

"پہلے یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں؟"

حکیم نے کہا:

"میرا نام حکیم احسن اللہ ہے۔"

عنبر نے تاریخ پڑھی بھی تھی اور تاریخ میں اس نے سفر بھی کیا تھا۔ تاریخ اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزری تھی۔ دنیا کے ہر ملک کے بڑے بڑے واقعات کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ وہی حکیم احسن اللہ ہے جس نے انگریزوں کے ساتھ مل کر بہادر شاہ ظفر سے غداری کی تھی۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔ وہ اب بھی غداری کر رہا تھا اور عنبر اسے ایسا کرنے سے نہیں روک سکتا تھا۔ کیونکہ اسے اتنی اجازت نہیں تھی۔ کہ وہ تاریخ کے واقعات کی زنجیر کی کسی کڑی کو بیچ میں سے الگ کر دے۔ کیونکہ اس طرح سے دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو سکتا تھا۔

عنبر خاموش کھڑا اور حکیم احسن اللہ کو غور سے دیکھنے لگا کہ اچھا ایسے ہوتے ہیں مسلمانوں کے غدار۔ اس کا دل چاہا کہ وہ ایک مکا مار کر اس غدار کو ہمیشہ کی نیند سلا دے۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ اس شخص کو غداری کرنا تھی۔ یہی تقدیر میں لکھا تھا اور عنبر تقدیر کے لکھے کو، خاص طور پر ان واقعات کو جو ہو چکے تھے، نہیں مٹا سکتا تھا۔ اس نے حکیم احسن اللہ سے کہا:

"مجھے بادشاہ کے پاس لے چلو۔"

شہزادہ عالم بولا:

"وہ کس لیے؟ تم کون ہوتے ہو بادشاہ سلامت سے ملنے والے؟ تمہارے پاس جو یہ چیزیں ہیں، انہیں ہمارے حوالے کر دو۔"

عنبر کو بڑا غصہ آیا۔ اُس نے کہا:

"میں سب کچھ جانتا ہوں کہ تم دونوں کون ہو اور مغلیہ سلطنت کے آخری چراغ کو بجھانے کے کیا کیا جتن کر رہے ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم دونوں انگریزوں کے لیے جاسوسی کرتے ہو۔ حکیم احسن اللہ کو انگریز جاسوسی کے عوض بھاری رقم دیتے ہیں اور تمہیں حکیم نے ولی عہد بنانے کا لالچ دے رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ بھی دھوکا کر رہا ہے۔"

دونوں غصے سے کانپنے لگے۔ حکیم احسن اللہ خان کا تو رنگ سرخ ہو گیا۔

"تمہاری یہ ہمت کہ مجھ پر جاسوسی کا الزام لگاؤ۔"

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا:

"اے غدار انسان، تمہیں شرم ہو تو چلو بھر پانی میں جا کر ڈوب مرے۔ آنے والی مسلمان قوم تمہیں ہمیشہ غدار اور ذلیل

ترین انسان کے نام سے یاد کریں گی۔"

حکیم احسن اللہ نے آگے بڑھ کر پوری طاقت سے عنبر کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ طمانچہ اس قدر زور دار تھا کہ کوٹھڑی کی فضا گونج اُٹھی۔ مگر عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ دوسری طرف حکیم احسن اللہ کا ہاتھ زخمی ہو گیا، جیسے کسی پتھر کے ساتھ ہاتھ ٹکرا گیا ہو۔

عنبر نے کہا:

"تم ابھی مجھے نہیں جانتے غدار حکیم، میں تمہیں ابھی کھڑے کھڑے جہنم میں پہنچا سکتا ہوں، مگر میں ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ حکم ربی ہے کہ تم زندہ رہو، غداری کرو۔ اور آنے والی نسلیں تمہیں غدار ملت کے نام سے یاد کر کے تمہیں رہتی دنیا تک پھٹکار ڈالتی رہیں۔"

حکیم احسن اللہ نے شہزادے کی طرف دیکھ کر چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ کچھ گھبراہٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ دونوں فوراً کوٹھڑی سے باہر آ گئے۔ ان کے جاتے ہی پتھر کا دروازہ فوراً بند ہو گیا۔ عنبر نے اس طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ اس نے سوچنا شروع کیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔

وہ تاریخ کے واقعات میں دخل نہ دے سکتا تھا۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ وہ باہر نکل کر دکھی اور زخمی لوگوں کی مدد ضرور سکتا تھا۔ اُس نے کوٹھڑی میں سے باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ دیوار کے دروازے کے پاس آیا۔ پتھر پر دونوں ہاتھ رکھے اور پوری طاقت سے اُسے دھکا دیا۔ پتھر کا دروازہ ٹوٹ کر ایک دھماکے کے ساتھ دُور جا گرا۔ عنبر کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔

وہ اندھیری راہداری میں سے ہوتا ہوا ایک زینہ چڑھ کر چھوٹی سی برجی میں نکل آیا۔ رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ وہ قلعے کی چھت پر تھا اور دوسری جانب مغل سپاہی اور مجاہدین توپوں میں گولے بھر رہے تھے۔

قلعے کے نیچے میدان میں انگریزی فوج کے کیمپوں میں لالٹین کی روشنیاں ہو رہی تھیں اور کسی وقت کوئی توپ چل جاتی تھی۔ اندھیرے کی وجہ سے عنبر کو کسی نے نہ دیکھا۔ وہ چھت پر فصیل کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا مغرب کی طرف آ گیا۔ یہاں ایک گول برج تھا جس میں سے سیڑھی نیچے جاتی تھی۔ عنبر یہاں سے اترا تو وہ قلعے کے شاہی محل میں تھا۔

یہاں سنگِ مرمر کے چبوترے پر سرخ رنگ کا قالین بچھا تھا۔ ستونوں کے ساتھ مخمل کے پردے لٹک رہے تھے۔ عنبر آگے بڑھا۔ وہ بادشاہ سے مل کر اسے اتنا ضرور کہنا چاہتا تھا کہ وہ حکیم احسن کی باتوں میں آ کر ہمایوں کے مقبرے نہ جائے۔ عنبر کا خیال تھا کہ

اس طرح سے وہ کم از کم شہزادوں کو قتل ہونے سے بچا سکے گا، کیونکہ مغلیہ سلطنت کی شکست تو لکھی جا چکی تھی؛ ہاں کم عمر شہزادوں کی جانیں اگر بچالی جائیں تو ہو سکتا ہے، تاریخ پر اس کا زیادہ خطرناک اثر نہ پڑے۔

برآمدہ آگے جا کر مڑ گیا۔ سامنے ایک ہال کمرہ تھا۔ کچھ لوگ افراتفری میں ایک طرف کو بھاگ گئے۔ انہوں نے مغل درباریوں کا لباس پہن رکھا تھا۔ پھر اُسے اپنے پیچھے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔

عنبر جلدی سے پردوں کے پیچھے چھپ گیا۔ دو مغل درباری باتیں کرتے تیز تیز قدموں سے اس کے قریب سے گزر گئے۔ وہ بادشاہ سلامت کو کوئی خاص بات بتانے جا رہے تھے۔

عنبر کچھ فاصلہ رکھ کر اُن کے پیچھے چل پڑا۔

شاہی محل کی آرائش دیکھنے والی تھی۔ جھاڑ فانوس، ریشمی قالین، زربفت کے پردے، جواہرات سے چمکتی ہوئی دیواریں۔ مگر یہ سب کچھ اداس تھا، کیونکہ شاہی محل پر آفت ٹوٹ پڑی تھی۔ انگریزی فوج شاہی محل کے دروازے پر پہنچ چکی تھی۔

عنبر اچانک ایک ایسے دیوان میں آگیا، جہاں سامنے دو نیزہ بردار ایک سونے چاندی کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے جو اپنے سامنے ایک انگریزی پتلون قمیص والے کو دیکھا

تو نیزے تان کر اس کی طرف بڑھے۔

"خبردار"

عنبر نے دونوں ہاتھوں سے اسے پرے دھکیل دیا۔ پہرے دار اتنے دھکے سے ہی کوئی بیس فٹ کے فاصلے پر جا گرا۔ دوسرے پہرے دار نے عنبر پر نیزہ پھینک دیا۔ یہ بڑے ماہر تلوار باز اور نیزہ باز سپاہی تھے اور انہیں خاص طور پر بادشاہ کی خوابگاہ کے باہر پہرے پر لگایا گیا تھا۔ نیزہ سیدھا عنبر کی چھاتی پر آ کر لگا اور ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ پہرے دار نے تلوار نیام سے کھینچ لی اور عنبر پر حملہ کر دیا۔

عنبر اس دوران میں بھاگ کر دروازے کے پاس آ گیا تھا۔ اس نے بریف کیس میں ہاتھ ڈال کر ٹیپ کو آن کر دیا۔ ٹیپ توپوں کے دھماکوں والی تھی۔ ایک دم سے شاہی خواب گاہ کے باہر بھیانک دھماکے کی آواز گونجی۔ پہرے دار اُچھل کر دُور جا گرا۔ اندر سے حکیم احسن اللہ، شہزادہ معظم اور بخت جان تلواریں سونت کر باہر آگئے۔

"کیا ہوا؟ یہ توپ کہاں چلی؟"

عنبر نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"یہ دھماکا میں نے کیا ہے۔ مجھے بادشاہ سلامت کے پاس لے چلو۔ میں بہت دور سے انہیں ملنے آیا ہوں۔"

بخت خان نے تلوار کی نوک عنبر کے سینے پر رکھ کر کہا:

"تم کون ہو؟ تمہیں فرنگی نے بھیجا ہے؟"

عنبر اس سپاہی کے زرہ بکتر اور چال ڈھال سے سمجھ گیا کہ یہ عظیم بہادر جرنیل اور سچا مسلمان سپاہی بخت خان ہے جس نے آخری وقت تک بادشاہ کو ثابت قدم رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اور انگریز نے غدر کے بعد جس کا سر کاٹنے کے لیے جگہ جگہ چھاپے مارے، مگر جو ان کے ہاتھ نہ آیا تھا۔

عنبر نے پوچھا:

"کیا آپ بخت خان ہیں؟"

"ہاں، مگر تم کون ہو تمہیں یہاں تک پہنچنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

عنبر نے کہا:

"عظیم جرنیل، میں ہر جگہ بلا روک ٹوک پہنچ سکتا ہوں۔ تلوار ہٹا لیجیے۔ کیونکہ یہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ مجھے بادشاہ کے پاس لے چلیے۔"

حکیم احسن اللہ نے کہا:

"یہ شخص جھوٹا ہے، بکواسی ہے۔ اسے انگریزوں نے جاسوسی کرنے بھیجا ہے۔ اس کا سر قلم کر دو۔"

عنبر نے کہا:

"جاسوس میں نہیں تم ہو۔ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو۔"

حکیم احسن اللہ کو دربار میں وزیر کی جگہ حاصل تھی۔ آج تک کسی کی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے اور یہ نوجوان لڑکا اُسے سب کے سامنے جاسوس اور غدار کہہ رہا تھا۔

اُس نے سپاہیوں کو آواز دے کر کہا:

"اسے پکڑ کر سولی پر لٹکا دو۔"

سپاہی آگے بڑھے تو عنبر نے جیب سے پستول نکال کر ایک فائر کیا۔ ہلکے سے دھماکے کے ساتھ گولی نکلی اور ایک سپاہی کی ٹانگ کو زخمی کر کے اسے گرا دیا۔

عنبر نے کہا:

"کوئی اور آگے بڑھا تو میں اسے جان سے مار دوں گا۔"

بخت خان کو معلوم تھا کہ حکیم احسن انگریزوں کی جاسوسی کر رہا ہے۔ جب عنبر نے اس راز کو فاش کیا تو بخت خان کا ماتھا ٹھنکا کہ یہ نوجوان مجاہدین کا ہمدرد اور انگریزوں کا دشمن معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے تلوار نیام میں کر لی اور عنبر سے کہا:

"میرے ساتھ آؤ نوجوان۔"

اور وہ عنبر کو اندر بادشاہ کی خدمت میں لے گیا۔

عنبر نے دیکھا کہ کمزور اور لاغر بوڑھا بادشاہ، بہادر شاہ ظفر مغلیہ سلطنت کا آخری بادشاہ تخت پر تکیے سے ٹیک لگائے خاموش

اداس بیٹھا تھا۔ تسبیح اس کے ہاتھ میں تھی اور آنکھیں چھت پر لگی تھیں۔

عنبر نے بادشاہ کو کورنش پیش کی اور کہا:

"عالم پناہ، میرا نام عنبر ہے اور میں نے پانچ ہزار برس پہلے ملک مصر سے اپنے سفر کو شروع کیا تھا۔ میں تاریخ کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ۱۹۰۰ء تک گیا۔ میں نے انگریزوں کے عروج اور پھر زوال کا زمانہ دیکھا اور اب پھر ۱۸۵۷ء میں آ کر واپسی کا سفر شروع کر رہا ہوں۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ ہمایوں کے مقبرے نہ جائیں۔ کیونکہ اس میں آپ کے شہزادوں کی جان کو خطرہ ہے۔"

حکیم احسن اللہ نے ٹوک کر کہا:

"جہاں پناہ، یہ شخص کوئی پاگل ہے۔ اسے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں دینا چاہیے تھی۔"

بادشاہ نے آہستہ سے کہا:

"اس دیوانے کو کس نے ہمارے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دی ہے؟"

شہزادہ عالم نے جھٹ کہا:

"حضور، بخت خان نے۔"

بادشاہ نے بخت خان کی طرف دیکھا۔ عنبر نے کہا:

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY

"جہاں پناہ، میں دیوانہ نہیں ہوں۔ میں تاریخ کا فرزند ہوں۔ جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ آپ سب کے ساتھ ہونے والا ہے، اس کا مجھے علم ہے۔ لیکن میں آپ کو بتاؤں گا نہیں۔ کیونکہ اس کی مجھے اجازت نہیں ہے۔ ہاں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ اگر آپ اپنے بچوں کی زندگی چاہتے ہیں تو محل چھوڑ کر نہ جائیں۔"

اس پر شہزادہ عالم اور حکیم احسن اللہ نے عنبر کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا۔ بادشاہ سے کہا کہ اس نوجوان نے ہمارے ایک سپاہی کو اپنے طمنچے سے زخمی کر دیا ہے۔

بخت خان نے بادشاہ سے کہا۔

"حضور انور، اس نوجوان عنبر کی باتوں پر غور فرمایا جائے۔ مجھے اس کی باتوں سے سچائی کی خوشبو آتی ہے۔"

بادشاہ نے کہا:

"آپ لوگ کچھ دیر کے لیے چلے جائیں۔ میں تنہائی میں اس نوجوان سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

بخت خان، شہزادہ عالم اور حکیم احسن اللہ آداب بجا لا کر باہر چلے گئے۔ بادشاہ اور عنبر خواب گاہ میں اکیلے رہ گئے۔ بادشاہ نے اپنے تخت کے بائیں جانب کی سونے کے تاروں والی رسی کو ذرا سا کھینچا۔ سامنے والا پردہ ہٹا اور ملکہ زینت محل دو کنیزوں کے ساتھ اندر آئی اور بادشاہ کے پاس تخت پر بیٹھ گئی۔ اس

نے عنبر کی طرف شک وشبہ کی نظر سے دیکھا۔ کیونکہ عنبر کی پتلون اُسے انگریزوں کا آدمی ظاہر کرتی تھی۔ بادشاہ نے عنبر کی طرف اشارہ کرکے اپنی ملکہ زینت محل کو بتایا کہ یہ نوجوان اپنے آپ کو تاریخ کا فرزند کہتا ہے۔

زینت محل نے کہا:

"تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟"

عنبر نے بریف کیس کھول کر ٹیپ ریکارڈ نکال لیا۔ سب اس عجیب وغریب شے کو حیرت سے تکنے لگے۔

بادشاہ نے پوچھا:

"یہ کیا چیز ہے؟"

عنبر نے کہا:

"حضور انور، یہ چیز آج سے ایک سو سال بعد ایجاد ہوگی۔ لیکن چونکہ میں سو سال آگے کے زمانے سے واپس آیا ہوں، اس لیے اپنے ساتھ سو سال بعد ایجاد ہونے والی کچھ چیزیں لے آیا ہوں۔"

عنبر نے سگریٹ لائٹر نکال کر جلایا تو اس کا لہراتا ہوا شعلہ دیکھ کر زینت محل، بادشاہ اور کنیزیں ایک دم سے چونک پڑیں۔

"یہ شعلہ کہاں سے نکل آیا؟" کنیز نے پوچھا۔

عنبر نے کہا:

"اس کے اندر ایک خاص قسم کا تیل ہے جسے پٹرول کہتے ہیں۔ یہ بھی آج سے سو سال بعد زمین کے اندر سے نکالا جائے گا۔"

پھر اس نے ریوالور نکال کر بادشاہ کو دکھایا:

"جہاں پناہ، یہ بھی آج سے سو سال بعد ایجاد ہونے والا ریوالور ہے، جسے آپ آج کے زمانے میں طمنچہ کہتے ہیں۔ اس کے اندر بارہ گولیاں پڑتی ہیں اور اس میں سے کوئی دھواں یا شعلہ نہیں نکلتا۔ یہ دیکھیے اس کی گولیاں۔"

اور عنبر نے جیب سے گولیوں کا ڈبہ نکال کر زینت محل کے آگے رکھ دیا۔ گولیوں کو وہ سب حیرانی سے دیکھنے لگے۔ بادشاہ نے پوچھا:

"یہ مشین کس کام آتی ہے؟"

عنبر نے کہا:

"اسے آپ جادو کی مشین کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایسی شے ہے کہ جس کا کام دیکھ کر آپ پر سکتہ بھی طاری ہو سکتا ہے، کیونکہ ایسی مشین کا آپ ابھی تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

پھر اس نے ایک ٹیپ بادشاہ کو دکھائی:

"اس کو ٹیپ کہتے ہیں۔ اس فیتے پر آپ کی آواز بھری جا سکتی ہے اور اسے اس مشین پر دوبارہ سنا جا سکتا ہے۔"

بادشاہ اٹھ کر بیٹھ گیا:

"یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟"

"ابھی دیکھ لیجیے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوتا ہے؟"

عنبر نے نئی ٹیپ چڑھا کر مائیک کا رخ زینت محل کی طرف کیا اور بولا:

"ملکہ عالم، کوئی بات کیجیے۔"

"کیا بات کروں؟"

عنبر نے بٹن بند کر دیا اور مسکرا کر بولا:

"بس اتنی بات ہی کافی ہے۔"

پھر اس نے بٹن دبا کر ٹیپ آن کر دی۔ سپیکر میں سے زینت محل کی آواز نے وہی فقرہ دہرایا۔

"کیا بات کروں؟"

عنبر نے ایک بار پھر ٹیپ چلائی۔ زینت محل کی آواز آئی:

"کیا بات کروں؟"

اپنی آواز کو بار بار مشین میں سے نکلتا سن کر زینت محل دنگ رہ گئی۔ کنیزیں اور بادشاہ سلامت آنکھیں پھاڑے حیرت سے ٹیپ ریکارڈر کو تک رہے تھے۔ جس میں چلتی ہوئی گول ٹیپ کا فیتہ بار بار زینت محل کا یہ جملہ دہرا رہا تھا:

"کیا بات کروں؟ کیا بات کروں؟ کیا بات کروں؟"

عنبر نے ٹیپ کو بند کر دیا اور کہنے لگا:

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

"ملکہ عالم، آپ کو یقیناً اس بات کا ثبوت مل گیا ہوگا کہ میں اگلے زمانے میں سے آ رہا ہوں اور میں تاریخ کا بیٹا ہوں۔"

بادشاہ نے اپنا سر تھام لیا:

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

زینت محل بولیں:

"اگر تم آج کے بعد آنے والے زمانے میں سے آ رہے ہو تو پھر تمہیں یہ بھی علم ہوگا کہ ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اس جنگ میں کس کی فتح ہوگی اور ہمارا تاج و تخت سلامت رہے گا یا نہیں؟"

عنبر نے کہا:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے سب معلوم ہے مگر میں اسے ظاہر نہیں کر سکتا۔"

"کیوں؟" زینت محل نے کچھ ناراضگی سے کہا۔

"اس لیے کہ اگر میں نے آنے والی باتیں اور واقعات کو ظاہر کر دیا تو اس دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لیے مجھے مجبور نہ کریں۔"

پھر عنبر نے ایک تازہ ٹیپ چڑھا کر کہا:

"میں جس زمانے سے آ رہا ہوں، وہ بڑا ترقی کر چکا ہے۔ اس کا ثبوت ملاحظہ کریں۔"

اور عنبر نے انہیں لتا منگیشکر، نورجہاں اور مہدی حسن کے
گانوں کی ٹیپ سنائی۔ سب اس کا منہ تک رہے تھے۔ پھر عنبر نے
بموں کے دھماکے اور شیر کی دھاڑیں اور جانوروں کی آوازیں سنائیں
جو اس نے ٹیپ پر ریکارڈ کر رکھی تھیں — زینت محل تو بُت
بنی یہ سب کچھ سن رہی تھی —

"میرے اللہ، تم کس دنیا سے یہ چیزیں اٹھا لائے ہو؟"

زینت محل کے منہ سے اپنے آپ نکل گیا —

بادشاہ کہنے لگا:

"کیا تم انگریزوں کے خلاف ہماری مدد نہیں کر سکتے؟"

عنبر نے کہا:

"کر سکتا ہوں، مگر صرف اتنی کہ میرے کہنے پر یہ محل چھوڑ
کر نہ جائیں۔"

بادشاہ نے زینت محل کی طرف دیکھ کر کہا:

"میرا اپنا بھی یہی خیال ہے کہ ہمیں محل نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

بلکہ زینت محل کو انگریزوں کے جاسوس نے اپنے اعتماد میں
لے رکھا تھا اور اُسے بھی یقین دلایا تھا کہ اگر وہ بادشاہ کو
بخت خان کے مشورے قبول نہ کرنے پر راضی کر لیں گی تو اُن
کے بیٹے کو انگریز ولی عہد تسلیم کر لیں گے اور اُسے کچھ نہیں کہا
جائے گا۔ زینت محل نے یہ شرط اسی لیے قبول کر لی تھی کہ

pdfbooksfree.pk

اسے معلوم تھا، فتح انگریز کی ہو گی۔ چنانچہ زینت محل نے بادشاہ
کی طرف دیکھ کر کہا:

"ایک نہ ایک دن تو چھوڑنا پڑے گا۔ فرنگی شاہی محل میں
چڑھ آئے تو کیا کریں گے — جان نہ سہی، عزت بچا کر ہی یہاں
سے بھاگنا ہو گا۔"

عنبر نے کہا:

"کاش، آپ شاہی محل میں ہی رہیں۔"

زینت محل نے عنبر کو ڈانٹ کر کہا:

"تم ہمارے شاہی معاملات میں دخل دینے والے
کون ہوتے ہو؟"

عنبر نے آداب بجا لاتے ہوئے کہا:

"ملکہ عالم، میں جانتا ہوں، آپ لوگوں کا انجام کیا ہونے
والا ہے — اگر میں آپ کو آپ کا انجام بتا دوں تو آپ کو ہرگز
ہرگز یقین نہ آئے گا — مگر خدا کی قسم ایسا ہو کر رہے گا۔ ایسا
آپ کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔"

زینت محل نے غصے سے کہا:

"کیا لکھا ہے ہماری قسمت میں؟ کیا انجام ہو گا ہمارا؟
یہی نا کہ ہم مار دیے جائیں گے تو پھر کیا ہوا؟"

عنبر بولا:

"ملکہ عالم، آپ کا انجام اس سے زیادہ دردناک ہے۔"

زینت محل اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"زباں کو لگام دو اجنبی لڑکے۔"

عنبر نے بڑے ادب سے کہا:

"ملکہ عالیہ، آپ نے مجھ سے حقیقت پوچھی تھی، اس لیے میں نے وہ بیان کردی۔ اس سے اگر آپ کی دل آزادی ہوئی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔"

اس پر بادشاہ نے کہا:

"عنبر، تم غیب کی باتیں کرتے ہو، مگر غیب کا علم تو صرف خدا کو ہے۔"

عنبر نے کہا:

"بادشاہ سلامت، میں اس غیب کی بات آپ کو بتا رہا ہوں جو ہو چکا ہے۔ وہ صرف آپ کے لیے غیب ہے؛ وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ آج سے ایک سو برس آگے جا کر دیکھیے، لاہور۔ کراچی اور اسلام آباد کے سکولوں میں بچوں کو آپ کے غدر کی داستان پڑھائی جا رہی ہے۔ اخباروں میں آپ کے اور آپ کے شاہی محل کے غداروں کے بارے میں آئے دن مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اور رنگون میں ....."

ایکدم عنبر رُک گیا۔ جذبات میں آ کر وہ راز کی بات کہنے

والا تھا۔

بادشاہ نے جھٹ پوچھا:

"ہاں ہاں، رنگون میں کیا ہوا تھا؟ تم رُک کیوں گئے۔ بات پوری کرو۔"

عنبر نے کہا:

"بادشاہ سلامت، مجھے اجازت نہیں ہے۔ میں یہ بات، یہ راز فاش نہیں کر سکتا۔ یہ تقدیر کا راز ہے۔"

بادشاہ نے بڑے درد بھرے لہجے میں کہا:

"میرے بچے، کیا تم مجھے ایک بھی بات نہیں بتاؤ گے؟ کم از کم وہ راز تو بتا دو۔ جس کے ظاہر کرنے سے تاریخ کی زنجیر کی کڑیاں سلامت رہیں گی۔"

عنبر نے کچھ دیر سوچا کہ رنگون والی بات بتا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس ہونی کو کوئی نہیں روک سکے گا۔ عنبر نے سرد آہ بھر کر کہا:

"تو سُنیئے بادشاہ سلامت۔ انگریزوں کو اس جنگ میں فتح ہوگی۔"

بادشاہ نے کہا:

"وہ تو ہم دیکھ رہے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ ہمارا کیا انجام ہوگا؟"

عنبر نے کہا :
"آپ کو رنگون میں جلا وطن کر دیا جائے گا۔"
"کیا ؟"
بادشاہ تخت پر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔
زینت محل کبھی بادشاہ اور کبھی عنبر کا منہ تکنے لگی۔
اس نے کنیزوں کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ کنیزیں منہ چھپائے جانے لگیں تو ملکہ نے کہا :
"خبردار، یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔"
کنیزوں نے جھک کر کہا :
"ہرگز نہیں ملکہ عالیہ۔"
کنیزیں چلی گئیں تو عنبر نے ملکہ سے کہا :
"اب اس بات کو چھپانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ جلا وطنی اب کوئی دنوں کی بات ہے۔"
بادشاہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ اس کا بوڑھا چہرہ غم سے اور بوڑھا نظر آنے لگا۔ اس نے اپنی جوان ملکہ کی طرف دیکھ کر عنبر سے پوچھا :
"اور ہماری چہیتی ملکہ ..... ؟"
عنبر نے کہا :
"جلا وطنی میں یہ آپ کے ساتھ ہوں گی۔"

ایک پل کے لیے شاہی خواب گاہ میں سناٹا چھا گیا۔ بادشاہ اور ملکہ دونوں کے رنگ زرد ہو گئے تھے۔ قلعے کی فصیل کی جانب سے انگریزی توپ خانے نے دوبارہ گولہ باری شروع کر دی تھی۔ اس کے جواب میں قلعے کے اوپر سے مغل سپاہی اور مجاہدین بھی توپیں چلا رہے تھے مگر ان کی آوازیں دیر دیر بعد آتی تھیں۔ جس کا صاف صاف مطلب یہی تھا کہ اُن کے پاس گولہ بارود ختم ہو رہا تھا۔ توپوں کے دھماکے شاہی خواب گاہ میں صاف سُنے جا رہے تھے۔ بادشاہ نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر پوچھا :
"ہمارے شہزادوں، ہمارے بیٹوں کا انجام کیا ہو گا ؟"
عنبر نے آہستہ سے کہا :
"بادشاہ سلامت، تقدیر کا یہ وہ پردہ ہے، جسے میں نہیں اٹھا سکتا۔ میں اس راز کو فاش کر سکتا۔ ہاں، میں اتنا مشورہ آپ کو ضرور دے سکتا ہوں کہ آپ شاہی محل کو نہ چھوڑیں اور اگر محل چھوڑنا ہی پڑے تو پھر ہمایوں کے مقبرے نہ جائیں اور اگر وہاں چلے جائیں تو پھر وہاں سے باہر نہ نکلیں، چاہے دنیا ادھر کی اُدھر ہو جائے۔"
کہنے کو تو عنبر نے یہ کہہ دیا تھا مگر اُسے معلوم تھا کہ ایسا نہیں ہو گا۔ بادشاہ محل چھوڑے گا۔ وہ ہمایوں کے مقبرے

بھی جائے گا، پھر ہمایوں کے مقبرے سے باہر نکل کر انگریزوں کے ہاتھوں گرفتار بھی ہوگا اور اس کے تینوں بیٹوں کے سر کاٹ کر خونی دروازے میں لٹکا دیے جائیں گے۔

بادشاہ نے کہا:

شکست کے بعد تو ہم انگریزوں کی قید میں آ جائیں گے۔ پھر ہماری مرضی کون مانے گا۔ ہمیں کیونکر اختیار ہوگا کہ ہم ہمایوں کے مقبرے سے باہر نہ آئیں۔"

عنبر نے کہا:

"آپ درست فرماتے ہیں عالی جاہ، مگر پھر بھی آپ کوشش کریں کہ مقبرے کے اندر ہی انگریز آپ کو گرفتار کریں۔"

بادشاہ خاموش ہوگیا۔ اس کا سر جھک گیا۔ اُس کی انگلیاں اپنے آپ تسبیح پر چل رہی تھیں۔ خواب گاہ کے بڑے فانوس میں لگی موم بتیاں جھلملا رہی تھیں، جیسے زندگی کے آخری سانس لے رہی ہوں۔

ملکہ زینت محل کا چہرہ بھی پریشان تھا۔ اُسے اپنے بیٹے کے ولی عہد نہ بننے کا غم تھا۔ پھر بھی اس کے دل میں امید کی ایک کرن روشن تھی کہ شاید انگریز اس کی "خدمت" کے عوض تخت بحال کر کے اس کے بیٹے کو اس کا وارث بنا دے۔ اچانک قلعے کی فصیل کی طرف ایک بھیانک دھماکا ہوا۔ بادشاہ نے

چونک کر کہا:

"یا اللہ خیر۔"

دو کنیزیں دوڑی دوڑی آئیں اور بوکھلائی ہوئی آوازمیں بولیں:

"ظلِ الٰہی، فرنگی نے قلعے کی دیوار توڑ ڈالی۔"

بادشاہ خدا کے حضور سجدے میں گر گیا اور دُعا مانگنے لگا۔

زینت محل وہاں سے کنیزوں کے ساتھ چلی گئی۔

عنبر کچھ دیر سجدے میں گرے ہوئے مغل خاندان کے آخری کمزور اور بوڑھے بادشاہ کو دیکھتا رہا، پھر وہ بھی شاہی خوابگاہ سے باہر نکل گیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

اور جہاز ڈوب گیا

جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔

بوڑھا بادشاہ اپنے خاندان کو لے کر شاہی محل سے نکلا اور ہمایوں کے مقبرے میں جا ڈیرا لگایا۔

کرنل ہڈسن نے بادشاہ کے بیٹوں کا خون پینے کی قسم کھا رکھی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار فوج لے کر ہمایوں کے مقبرے پہنچ گیا۔ حکیم احسن اللہ سے سازش کی اور بادشاہ کو خاندان سمیت باہر نکلوا لیا کہ جا کر آرام سے شاہی قلعے میں رہیں۔ مگر راستے میں جب خونی دروازہ آیا تو اس شاہی قافلے کو روکا۔ بادشاہ کے تینوں بیٹوں کو باہر نکالا۔ اُن کے سر کاٹ کر خون پیا اور تینوں سر خونی دروازے میں ٹکا دیے۔

دلّی شہر پر انگریزوں کا پورا قبضہ ہو گیا۔ ہندو سکھ فوج انگریزوں کے ساتھ تھی اور مسلمانوں کے مکان لوٹ کر ان کا قتل عام کر رہی تھی۔ شریف پردہ دار مسلمان عورتیں اپنی عزت بچانے کے لیے کنوؤں میں کود گئیں۔ دلّی کے کنوئیں مسلمان عورتوں کی لاشوں سے بھر گئے۔ ہندو، سکھ اور انگریز فوجی مسلمانوں کے گھروں میں گھس جاتے۔

عورتوں کو اغوا کر لیتے اور مردوں کو وہیں قتل کر دیتے۔ سارا مال و اسباب لوٹ لیتے۔

گلیاں سنسان ہو گئی تھیں۔ بازاروں میں جگہ جگہ لاشیں بکھری پڑی تھیں جنہیں گدھ نوچ رہے تھے۔ عنبر سے یہ سب کچھ دیکھا نہ جاتا تھا مگر وہ دیکھنے پر مجبور تھا۔ یہ ایک قوم کی غداری، بے کرداری اور بداعمالیوں کی سزا تھی جو اُسے مل رہی تھی اور بُروں کے ساتھ نیک بھی پس رہے تھے۔

عنبر ایک گلی میں سے گزر رہا تھا کہ اُسے ایک مکان کے اندر سے کسی عورت کی چیخ کی آواز سنائی دی۔ وہ بھاگ کر مکان میں داخل ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ دو سکھ اور ایک انگریز فوجی ایک مسلمان لڑکی کو گھسیٹ رہے ہیں اور وہ دالان کے فرش پر لوٹ پوٹ ہوئی جا رہی ہے۔ عنبر نے آگے بڑھ کر ایک سکھ فوجی کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچ لیا۔ عنبر نے اپنا بریف کیس ہمایوں کے مقبرے میں ایک جگہ زمین کھود کر چھپا دیا تھا کہ جب اس شہر سے جانے لگے گا تو نکال لے گا۔ اس وقت عنبر کے پاس اپنا بھرا ہوا ریوالور اور کچھ گولیاں جیب میں پڑی تھیں۔

دوسرے سکھ فوجی اور انگریز نے جب ایک نوجوان کو جو شکل و صورت سے مسلمان لگتا تھا دیکھا تو اپنے پرانے زمانے کی لمبی لمبی نالیوں والی بندوقیں تان لیں۔

عنبر نے اُن کی بندوقوں کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ اُس نے مسلمان لڑکی سے کہا:

"بہن، گھبراؤ نہیں — میں تمہاری مدد کو آ گیا ہوں۔"

دو سکھ فوجیوں نے عنبر کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا۔ انگریز فوجی نے بندوق اوپر لا کر عنبر کے سر کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ دھماکا ہوا۔ عنبر کپڑے جھاڑ کر اٹھ کر کھڑا ہو گیا — اس نے کہا:

"میں تم تینوں کو یہاں سے بھاگنے کی مہلت نہیں دوں گا۔"

تینوں فوجیوں نے عنبر پر ایک ہی وقت میں اپنی اپنی بندوقوں کا ایک ایک فائر جھونک دیا — تین دھماکے ہوئے — دھواں چھٹا تو یہ دیکھ کر تینوں کافر اور مسلمان لڑکی بڑی حیران ہوئی کہ عنبر کو کچھ بھی نہیں ہوا تھا — عنبر نے جیب سے اپنا جرمن ریوالور نکال لیا۔ انگریز نے ریوالور دیکھا تو پیچھے ہٹا — عنبر نے بڑے سکون سے فائر کر دیا — گولی جو چھوٹی مگر بڑی ظالم تھی۔ انگریز غنڈے کے دماغ میں گئی اور دوسری طرف سے کھوپڑی توڑ کر نکل گئی۔ دونوں سکھ بھاگنے لگے — مگر عنبر تو انہیں اُن کے گناہوں اور قتل عام کی سزا دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے پیچھے سے ایک ایک گولی چلائی اور دونوں سکھ گولی کھا کر ذرا سا اُچھلے اور پھر اُن کی لاشیں انگریز فوجی کی لاش کے پاس ہی پڑی تھیں۔

عنبر نے مسلمان لڑکی کے سر پر زمین سے اٹھا کر دوپٹہ دیا۔

"بہن، اسے اوڑھ لو۔"

مسلمان لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے —

"بھائی، تم رحمت کا فرشتہ بن کر آئے ہو — میرے ماں باپ کو بھی بچاؤ۔"

"کہاں ہیں وہ؟"

"ہندو فوجی افسر انہیں سولی پر لٹکانے کے لیے پکڑ کر لے گئے ہیں۔"

"مگر ان کا جرم کیا ہے؟"

لڑکی کا نام قدسیہ تھا — قدسیہ نے کہا:

"ان کا قصور اتنا ہے کہ ان کے گھروں سے سونا چاندی نہیں نکلا — اگر نکل آتا تو انہیں چھوڑ دیا جاتا۔"

ایک طرف جھاڑیاں تھیں — عنبر نے قدسیہ سے کہا:

"تم ان جھاڑیوں کے پاس بیٹھ جاؤ — میرا انتظار کرو — میں ان لوگوں کی جا کر خبر لیتا ہوں۔"

قدسیہ ڈرتی ڈرتی روتی ہوئی آنکھوں کے آنسو پونچھتی جھاڑیوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئی — سولی کے پاس دو گورکھے ہندو کرنل میز کرسی لگائے بیٹھے تھے — آٹھ سکھ فوجی ان کے دائیں بائیں کھڑے تھے — سامنے گھاس پر دس بارہ مسلمان مرد اور عورتیں زرد

خوفزدہ چہرے لیے بیٹھی تھیں — چار پانچ گورکھے سپاہی ان کے اوپر کھڑے بندوقیں تانے پہرہ دے رہے تھے — عنبر بے دھڑک جا کر ایک گورکھے کرنل کے پاس بولا :

" ان لوگوں کو چھوڑ دو اور ان کی جگہ مجھے سولی پر لٹکا دو۔"

گورکھا کرنل نے عنبر کو سر سے پاؤں تک دیکھا —

" کون ہو؟ مسلمان ہو؟"

" ہاں —"

" اسے سب سے پہلے سولی پر لٹکاؤ۔"

سپاہیوں نے اسی وقت عنبر کو پکڑ کر اُس کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ دیے — گورکھے کرنل آپس میں ہنسنے لگے — سکھ فوجی عنبر کو سولی کے پاس لے گئے — ہندو گورکھا کرنل بولا :

" جلدی کرو — ہم اس کی پھانسی کا تماشہ دیکھیں گے —"

اور پھر دونوں ہندو کرنل قہقہے لگا کر ہنسنے لگے — عنبر خاموش رہا — اس نے کوئی اعتراض نہ کیا — وہ سولی کے تختے پر چڑھ کر کھڑا ہو گیا — اس کے گلے میں جلاد نے رسی ڈال کر کس دی — جلاد مسلمان تھا — یہ کسی کو خبر نہ تھی — اس نے عنبر کے کان میں کہا :

" مجھے معاف کر دینا میرے بھائی —"

عنبر نے کہا :

" تم مسلمان ہو کیا؟"

" شی —" جلاد نے کہا : " آہستہ بولو — نہیں تو یہ ابھی مجھے بھی تمہارے ساتھ ہی پھانسی پر لٹکا دیں گے۔"

عنبر نے ہنس کر کہا :

" فکر نہ کرو بھائی — ابھی تم ایک ایسا تماشہ دیکھو گے کہ جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے بھی کبھی نہیں دیکھا ہو گا۔"

جلاد نے آہستہ سے افسوس کے ساتھ سر جھٹکا — سمجھ گیا کہ بے چارہ موت کے خوف سے پاگل ہو گیا ہے — اس نے کہا :

" خدا کو یاد کرو بھائی — یہ باتیں چھوڑو۔"

ہندو کرنل چنگھاڑا :

"ارے جلاد، کیا باتیں کر رہا ہے؟"

جلاد نے ہاتھ باندھ کر کہا :

" سرکار، یہ کہتا ہے رسی کا پھندا تنگ ہے۔"

اس پر کرنل زور سے ہنسا :

" اسے کہو ابھی اور تنگ ہو جائے گا، فکر نہ کرو۔"

دوسرے ہندو کرنل نے رومال ہلاتے ہوئے حکم دیا —

" دے دو پھانسی اسے —"

جلاد نے تختہ کھینچ دیا — عنبر پھانسی کا پھندا گلے میں ڈالے لٹکنے لگا — قدسیہ کے منہ سے غم کے مارے چیخ نکل گئی — فوجی ادھر

کو دوڑے اور قدسیہ کو کھینچ لائے۔ اپنی بیٹی کو دیکھ کر اُس کے ماں باپ بھی رونے لگے جو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ زمین پر بیٹھے اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔ عنبر نے یہ نقشہ دیکھا تو اپنے ایکشن کو شروع کر دیا۔ سب سے پہلے تو اس نے ایک جھٹکا دیا اور رسّی ٹوٹ گئی۔ وہ زمین پر گر پڑا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھوں کی رسّی کو جھٹکے سے توڑ ڈالا۔ ہندو فوجی سمجھے کہ مرنے کے بعد نیچے گر پڑا ہے۔ لیکن جب انھوں نے مُردے کو زمین پر سے اٹھ کر اپنے ہاتھوں کو رسّی کی گرفت سے آزاد کرتے اور گلے کی رسی کو کھولتے دیکھا تو پہلے تو حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ پھر کرنل کے حکم پر اس کی طرف لپکے۔

"اسے پکڑ کر گولی مار دو۔"

"کئی گولیاں عنبر پر فائر ہوئیں۔ مگر عنبر کے بدن سے ٹکرا کر نیچے گر پڑیں۔ عنبر نے جیب سے اپنا ریوالور نکال کر کھولا۔ اس پر ہندو فوجی گولیاں چلاتے رہے اور عنبر نے ریوالور میں باقی دو گولیاں بھی بھریں اور پھر اوپر تلے سات فائر کر کے سات ہندو فوجیوں کی لاشیں زمین پر ڈال دیں۔ ہندو کرنل تلوار سونت کر عنبر کو قتل کرنے اس کی طرف بڑھا۔

عنبر نے اس کی تلوار کا وار بڑے آرام سے اپنے ہاتھ پر لیا اور پھر تلوار کھینچ لی اور اسی تلوار سے کافر کے دو ٹکڑے کر

دیے۔ اب باقی فوجی عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ عنبر نے ایک ایک کر کے دس گیارہ ہندو سکھ فوجیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔

یہ منظر دیکھ کر سارے مسلمان مرد اور عورتیں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ انھوں نے عنبر کو گھیر لیا:

"یا اللہ، تو نے رحمت کا فرشتہ بھیج دیا۔"

قدسیہ سے اُس کے ماں باپ لپٹ لپٹ جاتے تھے۔ عنبر نے ان سب کو کہا:

"فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ۔ لاہوری دروازے کی طرف سے نکل کر پنجاب کی طرف کوچ کر جاؤ۔ خدا تمہارا نگہبان ہو۔"

سب لوگ عنبر کو اس طرح دیکھ رہے تھے، جیسے وہ کوئی آسمان سے اُترا ہوا فرشتہ ہو جو ان کی مدد کرنے خاص طور پر زمین پر نازل ہوا تھا۔ آخر عنبر کے کہنے پر وہ سارے لوگ لاہوری دروازے کی طرف چل دیے۔

عنبر بھی وہاں سے نکل کر دوسری طرف چلا گیا۔

رات گہری ہو گئی تھی۔ شہر میں کئی جگہوں پر آگ لگی تھی۔ جس کے شعلوں سے آسمان روشن ہو رہا تھا۔ عنبر دلّی کی گلیوں اور سنسان بازاروں سے گزرتا کشمیری دروازے کی طرف آ گیا۔ یہ دروازہ انگریزوں کی توپوں کی گولہ باری سے بالکل

تباہ ہو چکا تھا۔ جگہ جگہ لاشیں پڑی تھیں۔

عنبر ہمایوں کے مقبرے کی طرف جانا چاہتا تھا جو وہاں سے کافی دُور تھا۔ اس کا خیال تھا کہ رات مقبرے میں بسر کرے گا اور دن نکلنے پر دلّی شہر کو چھوڑ کر کلکتے کی بندرگاہ کا رُخ کرے گا اور پھر وہاں سے کسی بحری جہاز میں بیٹھ کر بصرہ اور پھر مصر پہنچ جائے گا۔ اگرچہ اُسے ابھی اپنے ماں باپ اور رشتے داروں کو ملنے کے لیے پانچ ہزار سال کا انتظار کرنا تھا، لیکن اس کے باوجود وہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے وطن چل کر دیکھے کہ وہاں کس کی حکومت ہے۔

عنبر شہر سے باہر ایک باغ کی دیوار کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ باغ میں ڈراؤنا اندھیرا تھا۔ دلّی شہر کی ساری فضا ڈراؤنی ہو رہی تھی۔ یہاں اس نے ایک سائے کو دیکھا جو درختوں میں سے ہو کر باغ کی طرف جا رہا تھا۔

عنبر کے دل میں خیال آیا کہ آدھی رات کو یہ کون شخص ہے؟ وہ ایک طرف چھپ گیا۔ سایا پرانے باغ کے دروازے پر پہنچ کر رُک گیا۔ اس نے اپنے پیچھے دیکھا کہ کوئی اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا۔ پھر وہ تیزی سے باغ کے اندر داخل ہو گیا۔ عنبر بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ سایا کسی مرد کا تھا جس نے مغل زمانے کا لباس پہن رکھا تھا۔ رات کے وقت باغ

پر قبرستان کی سی خاموشی چھائی تھی۔ آسمان پر ستارے چمکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کی روشنی بڑی پھیکی تھی، پھر بھی اس پھیکی روشنی میں عنبر سائے کو باغ کے چبوترے کی سیڑھیاں چڑھتے صاف دیکھ سکتا تھا۔

چبوترے پر پہنچ کر سایا ایک زینے سے نیچے کے تہ خانے میں اُتر گیا۔ عنبر بھی تھوڑا وقفہ ڈال کر زینے پر پہنچ گیا۔ زینے میں ہلکی ہلکی روشنی تھی جو آگے کو جا رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس سائے نے زینے کی سیڑھیاں اترنے کے بعد موم بتی قسم کی کوئی شے روشن کر لی تھی۔

عنبر آگے آگے جاتی ہلکی روشنی میں بڑھتا گیا۔ یہ ایک سُرنگ تھی جس کی چھت سے جالے لٹک رہے تھے اور جو عنبر کے سر سے کوئی فٹ اونچی تھی۔ چوڑائی صرف ایک آدمی کے گزرنے کی تھی۔ سرنگ کا ایک موڑ گھومنے کے بعد عنبر نے سائے کو دیکھا کہ ہاتھ میں موم بتی تھامے وہ آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔

ایک جگہ پہنچ کر سایا رُک گیا۔ عنبر بھی سُرنگ کی دیوار کے ساتھ لگ کر چھپ گیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ شخص آدھی رات کو یہاں کیا لینے آیا ہے۔ سائے نے موم بتی ایک پتھر پر رکھ دی۔ جیب میں سے چابی نکال کر سُرنگ کی دیوار میں

لگائی اور ایک چھوٹے سے دروازے کو کھول دیا، پھر وہ موم بتی لے کر اس دروازے میں داخل ہو گیا۔

اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا تھا مگر تالا نہیں لگایا تھا۔ عنبر نے دروازے کا ایک پٹ آہستہ سے کھول کر اندر دیکھا۔

موم بتی کی روشنی میں اُس نے دیکھا کہ وہ سایا ایک بوڑھا آدمی ہے۔ جس کی سفید ڈاڑھی اس کے چوڑے سینے تک آئی ہوئی تھی۔ وہ موم بتی ایک طرف رکھ کر زمین پر پڑے پتھروں کو اِدھر اُدھر ہٹا رہا تھا۔ پھر ان پتھروں کے نیچے سے ایک چھوٹا سا صندوقچہ نکل آیا۔

بوڑھے آدمی نے صندوقچہ کھولا، اس میں سے غلاف میں لپٹی ایک ڈبیا نکالی اور اسے کھول کر غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور ڈبیا میں سے ایک لاکٹ باہر نکال کر اُسے چوما۔

لاکٹ کی زنجیر سفید موتیوں کی تھی، جس کی چمکیلی شعاعیں تہہ خانے میں لہرانے لگیں۔ لاکٹ کے درمیان میں کوہ نور جتنا بڑا ہیرا تھا۔ اس ہیرے میں سے بڑی تیز اور روشن شعاعیں نکل رہی تھیں۔ جن کی وجہ سے اندھیرے تہہ خانے میں ایک عجیب شفاف قسم کی روشنی پھیل گئی۔

اچانک بوڑھے نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ اُسے شک ہو گیا تھا کہ کوئی دوسرا انسان وہاں موجود ہے۔

پیچھے عنبر کھڑا تھا۔ بوڑھے نے تلوار نکالی اور عنبر پر حملہ کر دیا۔ عنبر نے تلوار کا وار اپنے ہاتھ پر روکا۔ تلوار بوڑھے کے ہاتھ سے چھین کر اُسے بڑے ادب سے دوبارا پیش کی اور کہا:

"میں مسلمان ہوں۔ دلی میں مسلمانوں کے زوال پر غمزدہ ہوں۔ یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں اور یہ قیمتی لاکٹ یا ہار آپ کہاں لے جا رہے ہیں؟"

بوڑھا ابھی تک عنبر کو حیرت اور تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا:

"کیا تم میرا پیچھا کر رہے تھے؟"

"ہاں۔"

"کس لیے؟"

"یہ دیکھنے کے لیے کہ آپ اگر کسی مصیبت میں ہوں تو میں آپ کی مدد کروں۔"

"تم کون ہو؟"

عنبر نے کہا:

"اس سوال کا جواب بڑا لمبا ہے۔ اس وقت میں آپ

میں سوار ہونا ہوگا۔

"مشکل یہ ہے کہ اس وقت سارے بحری جہاز انگریزوں کے چلتے ہیں اور آج کل ہر مسافر کے سوار ہونے سے پہلے زبردست تلاشی لی جاتی ہے۔"

عنبر نے کہا:

"اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ آئیے اس تہہ خانے سے باہر نکل کر باقی باتیں کرتے ہیں۔"

تہہ خانے سے باہر آکر عنبر اور بوڑھا باغ کے چبوترے میں بیٹھ گئے اور باقی ساری رات انہوں نے یہ سوچنے میں بسر کردی کہ انہیں کس طریقے سے دلی شہر سے نکل کر کلکتے پہنچنا ہوگا۔

دن کی روشنی ہوگئی۔

دونوں باغ میں سے نکل کر ہمایوں کے مقبرے میں گئے۔

عنبر نے وہاں سے اپنا بریف کیس نکالا۔ بوڑھے نے پوچھا کہ اس صندوقچے میں کیا ہے؟

عنبر نے کہا:

"یہ وقت آنے پر آپ کو معلوم ہو جائے گا۔"

بوڑھے نے کہا:

"میرا نام عادل ہے۔ تم مجھے چچا عادل کہہ سکتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں یہ اپنا انگریزی طرز کا لباس بدل کر

مغلیہ لباس پہن لینا چاہیے۔ کیونکہ اس لباس سے تم پر یہاں کے لوگ شک کر سکتے ہیں کہ تم انگریزوں کے جاسوس ہو۔"

عنبر نے کہا:

"ٹھیک ہے، میرے پاس سونے کی ایک ڈلی ہے۔ اسے بازار میں بیچ کر نیا لباس خرید لیتے ہیں۔"

بوڑھا بولا:

"شہر میں سونا تانبے کے بھاؤ بک رہا ہے۔ لباس میں کہیں سے لے آؤں گا۔ سونے کی ڈلی تم اپنے پاس رکھو، آگے چل کر ہمارے کام آئے گی۔ میرے پاس بھی سفر خرچ کے لیے کچھ جواہرات ہیں جو ہم کلکتے چل کر فروخت کریں گے۔"

اسی دن شام کے وقت عنبر اور عادل چچا نے ایک قافلے کے ساتھ کلکتے کی طرف سفر شروع کر دیا۔ وہ گھوڑوں پر سوار قافلے کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔

عنبر جس زمانے سے نکل کر آیا تھا، وہاں بجلی کی ریل گاڑیاں اور جیٹ ہوائی جہاز چلتے تھے جو ایک گھنٹے میں کلکتے پہنچا دیتے۔ لیکن جس قافلے کے ساتھ وہ سفر کر رہا تھا اُسے ایک مہینے کے بعد کلکتے پہنچنا تھا۔ بہرحال وہ اسی طرح سفر کر سکتا تھا۔ قافلہ چلتا رہا۔ آخر ایک روز وہ کلکتے پہنچ گئے۔ سو سال

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

تھا، جس کی بڑی بری حالت تھی — اور کشتی میں نیم بے ہوش پڑا تھا۔ کشتی طوفانی لہروں میں بہی جا رہی تھی — ساری رات اسی طوفان میں گزر گئی —

صبح ہوئی تو طوفان تھما — دُور کسی جزیرے کی سیاہ لکیر سی دکھائی دے رہی تھی — مکار انگریز فوجی نے جزیرے کی طرف دیکھ کر کہا:

"ایک موت سے نکل کر ہم دوسری موت کی طرف جا رہے ہیں — میں جانتا ہوں، یہ آدم خوروں کا جزیرہ ہے۔"

***

- کیا شاہی ہار جلا وطن بادشاہ تک پہنچ سکا؟
- آدم خور جزیرے پر ان مسافروں پر کیا گزری؟
- عنبر سے اس کے پرانے ساتھی ناگ کی ملاقات کہاں ہوئی؟

آپ اس سیریز کی آئندہ شائع ہونے والی کتاب

سمندر کی چڑیل

میں پڑھیں گے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

موت کے تعاقب کی واپسی

جو پانچ ہزار سال تک جاری رہا....
اے حمید واپسی کے سفر کی کہانی بیان کرتے ہیں

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

ایک جھلک

۱ لاش سے ملاقات	اے حمید	-/۵ روپے
۲ جہاز ڈوب گیا	اے حمید	-/۵ روپے
۳ مندر کی چڑیل	اے حمید	-/۵ روپے
۴ پُر اسرار غار کی مورتی	اے حمید	-/۵ روپے
۵ ناگ لندن میں	اے حمید	-/۵ روپے
۶ تابوت میں سانپ	اے حمید	-/۵ روپے

اپنے قریبی بک سٹال سے خریدیے یا براہِ راست
ہم سے منگوائیے!

نیا مکتبہ اقراء ۱۴-بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور